پھولوں کے کھلنے کا موسم

ایم سلطانہ فخر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

مکمل ناول

ایم سلطانہ فخر

ہیں دکھ کے ایسے موسم

"افوہ یہ کیسا کاٹ کباڑ پھیلا رکھا ہے تم نے کمرے میں۔" وہ جو بڑے اچھے موڈ میں بیڈ روم میں داخل ہوا تھا اس نے آتے ہی اپنے بیڈ کے وارڈروب پر سائیڈ ٹیبلز اور الماری تک ایک قطار میں سجی صحت مند اور خوبصورت غیر ملکی بچوں کی تصاویر دیکھ کر سخت ناگواری سے کہا۔

"کمال ہے آپ انہیں کاٹ کباڑ کہہ رہے ہیں۔ یہ ۔ یہ فرشتوں کی طرح معصوم کونپلوں کی طرح نازک اور پھولوں کی طرح تروتازہ اور خوبصورت بچے۔ کیا آپ کو خوبصورت اور صحت مند بچے پسند نہیں عذیر۔" اس نے شوہر کے ہاتھ سے اس کا کوٹ لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ سب فارنرز کی اولادیں ہیں۔ وہیں کے ان کے کمپلیکشنز ہیں۔ وہیں کے دستور کے مطابق ان کی پرورش کی جاتی ہے۔ ورنہ ہمارے یہاں اگر گورے چٹے بچے ہو بھی جائیں تو پھیکے بلغم ہی ثابت ہوتے ہیں۔" عذیر برا سا منہ بنا کر بولا۔

"خیر اپنی اولاد تو سب کو ہی پیاری ہوتی ہے۔ خواہ گوری ہو یا کالی۔ وہ حبشی کی ٹوپی کی مثال تو سنی ہو گی آپ نے۔ کہ دربار میں ایک سے ایک خوبصورت اور سفید فام بچے موجود تھے۔ حبشی غلام سے کہا گیا کہ دربار میں جو سب سے خوبصورت بچہ نظر آئے یہ ٹوپی اس کے سر پر رکھ دینا۔ اور سارے دربار میں سب سے حسین حبشی کو اپنا سیاہ فام بچہ نظر آیا۔ اور وہ ٹوپی اس نے اس کے سر پر رکھ دی۔ اپنی اولاد تو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

خواہ بدصورت بھی ہو، والدین کو دل و جان سے عزیز ہوتی ہے۔ جبکہ معلوم بھی ہے تخت کے جانشین کا انتخاب کرنے کے سلسلے میں وہ ٹوپی کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔" وہ اس کا کوٹ ہینگر پر لٹکانے کے دوران کہتی رہی۔

مگر اس نے اس کی باتوں کے جواب میں صرف یہ کہا۔

"شاید تم آج چائے پلانے کے موڈ میں نہیں ہو۔ چلو خیر میں کہیں باہر جا کر پی لیتا ہوں۔" وہ ابھی تک بیٹھا ہوا تھا ورنہ آفس سے آتے ہی اپنا کوٹ اسے تھما کر ٹائیلٹ کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ کر وہ جوتے اور موزے اتارتا۔ ٹائیلٹ میں جا کر ہاتھ دھوتا پھر بیڈ پر آرام سے بیٹھ کر چائے پیتا تھا۔ اس کے بعد لباس تبدیل کرتا تھا۔ ویسے بھی شام کی چائے وہ ہمیشہ آنسہ کے ساتھ ہی پیتا تھا۔

اصل میں دوپہر کا کھانا تو بس برائے نام ہی کھاتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ چائے کے ساتھ اسنیکس بھی لینے کا عادی تھا اور آنسہ بھی دوپہر کو ہلکا پھلکا کھانا کھاتی تھی۔ شام کی چائے اور رات کا کھانا وہ عذیر کے ساتھ ہی کھاتی تھی۔ اب جو اس نے کہیں باہر جا کر چائے پینے کا ارادہ ظاہر کیا — ازدواجی تین سالہ زندگی میں وہ یہ باہر جا کر کھا پی لینے کی حرکت تین چار مرتبہ پہلے بھی کر چکا تھا۔ بس ان کے درمیان ایک تنازعہ یا اختلاف تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے مابین ان بن ہو جایا کرتی تھی۔ اب جو اس نے ایک طرح باہر جا کر چائے پینے کی دھمکی دی تو وہ گھبرا کر بولی۔

"ارے نہیں چائے اور باقی لوازمات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں آپ کے آنے سے پہلے ہی تیار کر لیتی ہوں۔ بس ابھی ایک منٹ میں لائی آپ کی چائے۔" وہ الماری کا پٹ بند کر کے کچن کا رخ کرنے لگی تو عذیر نے کہا۔

"نہیں آنسہ! پہلے اس ساری خرافات کو سمیٹ کر باہر پھینک دو۔ پھر اطمینان سے چائے لانا۔" یہ کہہ کر گویا اس نے امید کی آخری کرن کو بجھا دیا تھا۔ وہ اس کی ضدی اور ہٹ دھرم فطرت سے واقف تھی اس نے بجھے بجھے دل کے ساتھ بغیر کوئی جواب دیئے — ساری تصویریں سمیٹ کر اسٹور روم میں رکھیں اور کیتلی میں گرم گرم چائے دم کر کے ٹرالی میں پہلے سے رکھے ناشتے کے لوازمات لے کر بیڈ روم میں آئی تو اسے بیڈ پر بیٹھے ہوئے پایا۔ اس نے ابھی تک جوتے نہیں اتارے تھے۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کہیں باہر جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آنسہ کا دل اس کے ساتھ چائے پینے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس کے کہیں چلے جانے کے ڈر سے بادل نخواستہ اسے اپنا کپ بھی بنانا پڑا۔ عذیر نے خاموشی سے اپنا کپ اٹھایا اور پلیٹ سے تازہ تازہ چکن پیٹس اٹھا کر اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"یہ آپ کے رخ روشن سے اتنے محروم و مغموم قسم کے تاثرات کیوں ہویدا ہیں جبکہ میں ہزاروں بار آپ کو باور کرا چکا ہوں کہ۔"

"ہزاروں تو کیا آپ لاکھوں اور کروڑوں بار بھی باور کرائیں تب بھی میں اپنے موقف سے ایک انچ بھی نہیں ہٹوں گی۔ سمجھے آپ؟" وہ بھی سینہ تان کر بڑے اٹل لہجے میں بولی۔

"ہونہہ! تم اگر اپنے موقف سے نہیں ہٹنا چاہتیں تو تم میرے فیصلے سے بھی اچھی طرح آگاہ ہو۔" عذیر کے لہجے میں دھونس تھی۔

"ہاں خوب آگاہ ہوں۔ مگر کوئی ضروری نہیں۔ کم از کم میرے لیے کہ میں بے زبان عورتوں کی طرح خاموشی سے اسے قبول کر لوں۔"

"تو اس کا مطلب ہے تم میرے فیصلے کو چیلنج کر رہی ہو۔" وہ تپ کر بولا۔

"ہاں یہی سمجھ لیں۔ بھلا کوئی حد بھی ہوتی ہے اس ہٹ دھرمی کی۔ ادھر جو بھی ملتا ہے وہ یہی پوچھتا ہے کہ تین سال شادی کو ہو گئے اور ابھی تک تمہاری گود ہری نہیں ہوئی۔ اور ٹالنے کی غرض سے جب یہ کہتی ہوں کہ اللہ کی مرضی میں کس کا دخل ہے۔ اولاد اگر ہونی ہو گی تو ہو جائے گی۔ یا کوئی ایسا ہی جواب۔ سچ اتنی شرمندگی ہوتی ہے کہ کیا بتاؤں جب لوگ کہتے ہیں کہ تم اپنا اور اپنے میاں کا چیک اپ کراؤ۔"

"ہونہہ۔ یہ سب تمہاری کمزوری اور کمپلیکس

کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میں تو تم کو کھلی اجازت دی ہے کہ صاف صاف کہہ دیا کرو کہ عذیر کو اولاد پیدا کرنے کی بالکل خواہش نہیں۔ وہ بچوں کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔"

"ہاں یہ بھی کہہ کر دیکھ لیا۔ مگر وہ آپ کے جگری دوستوں کی خوب صورت بیویاں ہیں فریحہ، روبینہ اور فریال وغیرہ انہوں نے آپ کی بات سن کر یہی کہا کہ ضرور تمہارے میاں کے اندر کوئی نقص ہے جسے وہ تم پر عیاں کرنا نہیں چاہتے۔ بہتر یہی ہے کہ ان کا میڈیکل چیک اپ کرا لو۔ بلکہ انہوں نے تو مجھے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔"

"لاحول ولا۔ میرے یہاں اولاد ہو یا نہ ہو بھلا کسی کو اس سے کیا غرض۔ انگلیاں اٹھانے والے میری اولاد کی پرورش کریں گے نہ ہی اسے گود کھلائیں گے۔ بس اب اگر کوئی تمہارے سامنے اس موضوع کو چھیڑے تو صاف صاف کہہ دینا کہ اگر ہم بے اولاد ہیں تو اپنی زندگی میں خوش اور مگن ہیں۔ آپ براہ کرم ہمارے اس نجی معاملے میں ٹانگ نہ اڑائیں۔" وہ چائے کی خالی پیالی اور پلیٹ ٹرالی میں رکھ کر بولا۔

"نہیں میں کسی سے بھی یہ سب نہیں کہہ سکتی۔ بلکہ یہ الزام اپنے سر نہیں لے سکتی کہ مجھ میں کوئی عیب یا خامی ہے۔" وہ قدرے جھجک کر بولی۔

"لیکن چیک اپ کرانے کے بعد اگر واقعی کوئی نقص یا خامی نکل آئی تو۔"

"تو یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہو گا کہ۔"

"کہ میں تمہیں قبول کروں یا نہیں تو بھئی وہ تو میں ایجاب و قبول کے موقع پر کر ہی چکا ہوں۔ یعنی تم ہر حالت میں مجھے قبول ہو گی۔ میں کبھی بھول کر بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاؤں گا۔"

"اجی اس سے کیا ہوتا ہے۔ کم از کم میں تو کبھی یہ گوارا ہی نہیں کر سکتی کہ دوسروں پر یہ ظاہر کروں کہ میں کسی قابل نہیں ہوں۔ ویسے یہ لیبل آپ اپنے اوپر لگانا چاہیں تو شوق سے ساری عمر لگائے رکھیں۔"

اس نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔

"آخر کیا مطلب ہے تمہارا ان باتوں سے؟"

"یہی کہ آپ اپنا چیک اپ کرا لیں۔"

"یہ میرے لیے ممکن ہی نہیں۔ مجھے اولاد پیدا کرنے کا شوق ہے نہ تمہارے سامنے کوئی ثبوت پیش کرنے کا۔" وہ اپنے اسی پرانے اٹل لہجے میں بولا۔ یعنی جتنے ٹھوس اور اٹل لہجے میں شروع سے کہتا آ رہا تھا۔

"پھر تو میرے لیے بھی ممکن نہیں۔ یعنی میں بھی یوں خالی خولی زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"تو کیا چاہتی ہو تم۔"

"یہاں سے اس بور ماحول سے پیچھا چھڑانا۔"

"یعنی کہ گلو خلاصی؟"

"ہاں۔" وہ دلیری سے بولی۔

"تاکہ طلاق لے کر اپنا بچے پالنے کا شوق پورا کرنے کے لیے دوسری شادی کر سکو۔"

"وہ تو جیسے حالات ہوں گے ان کی مناسبت سے ہی کروں گی۔"

"کیوں حالات تو تمہارے اپنے اختیار میں ہوں گے۔" اس کا لہجہ طنز آمیز ہو گیا۔

"نہیں۔ حالات تو کسی کے اختیار میں نہیں ہوتے البتہ اتفاقات اور واقعات خود بخود ہی انسان کی زندگی کا رخ موڑ دیتے ہیں اور ان کے تحت جو کچھ بھی ہو گا اس کی پابند ہوں گی۔"

وہ جو عذیر سے کچھ کچھ خائف اور دبی دبی سی رہتی تھی۔ اس کی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے تنگ آ کر زبان کھولنے پر مجبور ہو گئی۔

"اچھا زیادہ فلسفہ بگھارنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ تمہارا دل مجھ سے بھر چکا ہے۔"

"مرد کو جب صحیح جواب نہیں سوجھتا تو وہ ایسے ہی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی تک ہے۔ اولاد کے تصور سے بھی اولاد کے نام سے نفرت، آخر اس کا کوئی جواز یا وجہ تو ہو گی ناں۔" اس کے ہاتھ سے بھی صبر کا دامن چھوٹ گیا تھا۔

"بس بس زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں اپنی اوقات میں ہی رہو۔"

"اوقات تو میری جیسی بھی ہے مجھے معلوم ہے مگر آپ نے یہ کہہ کر خود اپنی اصلیت کو عیاں کر دیا ہے۔"

"اوہ ڈیم یو۔ بہتر یہی ہے کہ اپنا منہ بند رکھو

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

— ورنہ میرا ہاتھ اٹھ گیا تو۔

"ارے واہ آخر کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھ کو۔ کیا میں اتنی بے بس اور مجبور ہوں کہ آپ کی گالیاں اور جوتیاں برداشت کرلوں گی۔ میں تو ایک منٹ بھی یہاں رکنے کی روادار نہیں۔" وہ جو اس سے باتیں کرتے کرتے اس کی تلخ کلامی کے دوران بیڈ پر ٹک سی گئی تھی۔ سخت غصے کے عالم میں اٹھ کر اپنی الماری کی طرف بڑھی اور اسے کھول کر اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

"جانا ہی چاہتی ہو تو شوق سے جاؤ مگر یہ یاد رکھنا کہ پھر واپسی کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔" وہ جو بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، سیدھا ہوتا ہوا بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اپنے کپڑے وغیرہ سوٹ کیس میں بھرتی رہی۔ وہ کہتا رہا۔

"اصل میں جس عورت کا دل ایک مرد سے بھر جاتا ہے وہ اسی طرح فرار کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔"

"چلیں۔ یہی سمجھ لیں اور بس مجھے معاف ہی رکھیں۔" وہ دونوں ہاتھوں کو باہم ملاکر سخت جلے کٹے انداز میں بولی۔ اور اپنا سوٹ کیس اٹھاکر کمرے سے باہر جانے لگی تو اس نے پھر کہا۔

"جہاں بھی جارہی ہو اپنا اتا پتا بتاکر جاؤ تاکہ چار حرفی کاغذ تم تک پہنچانے میں مجھے دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔" اور وہ ایک دم ہی اس کا مقصد نہیں سمجھ سکی اور تیوری چڑھاکر بولی۔

"کیسا چار حرفی کاغذ؟"

"بھئی وہی القطع القطعی والا یعنی کہ طلاق نامہ۔"

اُف اسے ایسا محسوس ہوا کہ عذیر نے یہ کہہ کر اس کے سینے میں نیزے کی انی ہی چبھو دی ہو۔ یہ مرد بھی کیسے سفاک ہوتے ہیں۔ ابھی سے طلاق کا بھی جتادیا۔ تاکہ میں ڈر کر یہیں بیٹھ جاؤں۔ نہیں نہیں میں ہرگز ہرگز اس معاملے میں نرمی نہیں برتوں گی۔ اس نے سوچا۔

"اچھی طرح سمجھ لو یہ بات پھیلی تو نتیجے میں تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔" اس نے گویا اسے معاملے کی نزاکت کا احساس دلایا۔

"او۔ آئی کیر فور ہو ڈرتہ۔ ویسے ایسی کسی سچویشن کا آپ کو بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ اپنی خیر منالیے۔" اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ بھی سخت ہٹیلا اور انا پرست تھا۔ اپنی جگہ سے ہلنا تو کجا اس نے اسے جانے سے باز رکھنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اصل قصوروار وہ آنسہ کو سمجھ رہا تھا۔ کہ وہ غلطی پر ہے اور اپنی ضد اور انا میں اتنا غلط قدم اٹھارہی ہے۔ وہ بڑی ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔

اور سخت بے عقل بھی۔ اسے تو الٹا خوش ہونا چاہیے تھا کہ اگر وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ بھی ہوتی تب بھی اسے قبول کرلیتا۔ اس سے نباہ کرتا اور اسے ہر طرح کا آرام اور آسائش مہیا کرتا۔ مگر وہ انتہائی سرکش اور سرپھری ثابت ہوئی۔ ٹھیک ہے چلی گئی ہے تو چلی جائے کوئی پرواہ کی بات نہیں ہے۔

وہ غم و غصے کے عالم میں گھر سے نکل تو آئی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جائے تو کہاں جائے۔ کس جگہ اپنی رہائش کا ٹھکانا ڈھونڈے۔ شہر تو کیا۔ دوسرے شہروں میں بھی کوئی اس کا عزیز اور شناسا نہیں رہتا تھا۔

البتہ عذیر کے چند دوست اور کولیگ ہی تھے جن کے پتے اسے معلوم تھے۔ مگر جس کے یہاں جاتی ایک سوالیہ نشان بن جاتی اور یہ اسے کسی طور پر گوارا نہ تھا۔ اس کی ایک خالص نجی بات کسی کے علم میں آئے۔ کہ جہاں بھی جاتی تشکک اور تجسس کا باعث ہی ہوتی۔ کوئی ٹھکانا معلوم ہی نہ تھا جہاں اسے پورا پورا تحفظ ملتا اور وہ عزت کے ساتھ رہ سکتی۔ کہ جان سے زیادہ عزت ہی ہوتی ہے۔

ظاہر تھا ایک بیاہتا جوان عورت کسمپرسی کے عالم میں سوٹ کیس ہاتھ میں اٹھائے وہ بھی رات کے وقت دربدر کی ٹھوکریں کھاتی نظر آئے تو دیکھنے والے کے ذہن میں یہی خیال ابھرتا ہے کہ یا تو عورت کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیا گیا ہے یا پھر جوان اور حسین عورت ہے۔ رات کی تاریکی میں اپنی عزت کا سودا کرنے چوری چھپے گھر سے باہر نکلی ہے۔

عورت بے چاری واقعی بڑی بے بس اور مجبور شے ہے۔ اس کا واقعی کوئی گھر نہیں ہوتا۔ والدین کے سائے میں پروان چڑھتی ہے تو وہ پرایا دھن سمجھ کر اسے سینت سینت کر یوں رکھتے ہیں جیسے ذرا سا ہاتھ لگنے سے پگھل جائے گی۔ اور جب پرایا دھن اپنے اصل ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے تب بھی اسے کوئی مقام نہیں ملتا۔ شوہر اور سسرال والوں کی عملداری میں اس کی حیثیت دو کوڑی کی ہوجاتی ہے۔ سب کے اشاروں پر چلنا پڑتا ہے۔ طعنے تشنے اور بات بات میں روک ٹوک عیب نکالنا۔ سختی، زیادتی اور من مانی۔ یہ سب یوں تحلیل ہوتا ہے کہ عورت زندگی سے ہی بیزار ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی تو شک اور غلط فہمی کی وجہ سے نا ہمواری ہو جاتی ہے۔ ازار بندی ناتا — ہوتا ہے نا۔ بہت کمزور اور بودا۔ جو ایک ذرا سے واقعاتی جھٹکے میں ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ جبکہ عام طور پر کہا یہی جاتا ہے کہ یہ بندھن یہ ناتا بڑا ہی اٹوٹ اور مقدس ہوتا ہے۔ مگر مرد کی بالادستی اور خود سری اس اٹوٹ بندھن میں دراڑیں ڈال دیتی ہے۔

یہ اس کی قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس کا دور و نزدیک کا کوئی رشتے دار بھی نہ تھا۔ اصل میں ماں تو اس کی حیات نہیں تھیں۔ باپ نے دوسری شادی کر رکھی تھی اور وہ عرصے سے دبئی میں سکونت پذیر تھے۔ ایک چھوٹی بہن تھی ایک سال قبل اس کی شادی کردی گئی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ آسٹریلیا چلی گئی تھی۔ رہ گئے دوسرے عزیز و اقارب تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ ماں کو نرینہ اولاد پیدا نہ کرنے کے جرم میں دوسری عورت لانے کی سزا دی گئی تھی۔ مگر افسوس کی بات کہ سوتیلی ماں بھی نرینہ اولاد پیدا نہ کرسکی تھی۔ مصیبت کے ان لمحات میں حیران و پریشان سی کھڑی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ جائے تو کہاں جائے کہ تب اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ سرونٹ کوارٹر میں اس کی ضعیف ملازمہ برکت بوا رہتی تھیں بوڑھی ہونے کے باوجود بہت ہی مستعد، نمک حلال خیال رکھنے والی۔ اور ایماندار تھیں اس لیے وہ دونوں میاں بیوی کھانے وغیرہ پر کہیں باہر جاتے تو کھلا گھر ان پر ہی چھوڑ جاتے تھے۔ آنسہ کے تو بڑی صدقے واری جاتی تھیں اس نے سوچا ایک رات کی ہی تو بات ہے۔ برکت بوا کی زبان بند رکھنے کے لیے ان کی مٹھی گرم کردوں گی اور تاکید بھی کردوں گی کہ وہ عذیر یا کسی کو نہ بتائیں کہ میں نے رات یہاں ان کے ہاں گزاری ہے۔ صبح اسٹیشن جاکر لیاقت پور کا ٹکٹ لوں گی اور جاوید ماموں کے یہاں چلی جاؤں گی۔ کہ جاوید اس کی امی کے دور کے رشتے کے بھائی ہوتے تھے اور ایک سال قبل اس کی بہن کی شادی کے موقع پر ملے تھے تو انہوں نے اسے اور عذیر کو بڑے اصرار سے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

اس وقت اسے یہی ترکیب سب سے مناسب لگی۔ اور ابھی اسی ترکیب پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ کرہی رہی تھی کہ گیٹ کے عین سامنے ایک کار آکر رکی۔ کار کی ہیڈ لائٹس میں وہ یہ نہ دیکھ سکی کہ کار میں کون بیٹھا ہے۔ تبھی کار کا دروازہ کھول کر باہر اترتے ہوئے اشفاق نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔

"خیر تو ہے بھابی آپ اس وقت یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ کیا عذیر کا انتظار ہو رہا ہے؟"

اور اس سوال پر گھڑی کی چوتھائی میں اس نے کچھ سوچا اور بولی۔

"جی ہاں اشفاق بھائی۔"

"مگر یہ سوٹ کیس کیسا ہے ہاتھ میں۔ کیا کہیں سفر پر جانے کی تیاری ہے؟" اشفاق کی بیوی نوشین نے دوسرے دروازے سے باہر وارد ہوتے ہوئے پوچھا۔ لہجہ معنی خیز سا تھا۔

یوں تو اشفاق، عذیر کا سگا پھوپھی زاد تھا۔ دنیا میں اس کا واحد دوست اور ہمراز۔ دونوں نے کالج تک ساتھ پڑھا تھا۔ اور کسی زمانے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہیں واقعی ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہے تھے۔ مگر پھر کچھ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے اور کچھ خاندانی چپقلش کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ مگر اب ایک سال قبل دونوں پھر ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔ مگر جہاں تک آنسہ نے محسوس کیا تھا۔ عذیر اشفاق کی بیوی سے ہی نہیں خود اشفاق سے بھی اکھڑا اکھڑا سا رہتا تھا جبکہ نورین عذیر کو دیکھ کر کھل سی اٹھتی تھی۔ اور کچھ اتنے خوشامدانہ انداز میں پیش آتی تھی کہ آنسہ کو تعجب ہونے لگتا۔

کہ بھائی جان بھائی جان کہہ کر اس کا منہ خشک ہوتا

اور بھائی جان تھے کہ ان کی تیوری کا بل ہی نہ سیدھا ہوتا تھا۔

اسی بات پر متعجب ہو کر کئی بار آنسہ نے عذیر سے اس کے اتنے معاندانہ اور غیر مخلصانہ رویے کے بارے میں پوچھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ مگر اس کا ایک ہی جواب ہوتا" اشفاق یہ جس نیملی کی لڑکی لایا ہے وہ لوگ اچھے نہیں ہیں اور اشفاق کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ میں ان لوگوں سے سخت خار کھاتا ہوں۔ اس کے باوجود بھی اس نے اسی لڑکی سے شادی کر لی۔ اور تم بھی اس لڑکی کو زیادہ منہ نہ لگانا۔ کیونکہ اس کی یہ چکنی چپڑی باتیں محض دکھاوا ہوتی ہیں دکھاوا۔" تب آنسہ نے بھی سوچا کہ عذیر لاکھ اکھڑ مزاج سہی لیکن اپنے ملنے جلنے والوں اور دوست احباب سے تو اتنے خلوص سے ملتے ہیں کہ دوسرے ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ یقیناً کوئی بات ہی ہو گی جو وہ نورین بھابی سے اتنے بدظن نظر آتے ہیں۔ خیر عذیر اگر نورین بھابی کو پسند نہیں کرتے تو مجھے کیا۔ بیوی تو وہ ان کے کزن کی ہیں۔ میرے کزن کی تو نہیں۔ اس کے بعد وہ بھی نورین سے کچھ کھنچی سی گئی تھی۔

مگر اب ان دونوں میاں بیوی نے عین وقت پر وارد ہو کر سوٹ کیس کے بارے میں پوچھ کر گویا رنگے ہاتھوں اسے پکڑا تھا۔ اور ایک دم ہی اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔ کوئی فوری جواب نہ بن سکا تو اس نے بات ٹالنے کی غرض سے کہا۔

"ارے آپ دونوں اندر تو چلیے پھر اطمینان سے بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔"

حالانکہ دل تو یہ بھی چاہ رہا تھا کہ ساری حقیقت دونوں پر آشکار کر دے مگر اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اشفاق اور اس کی بیوی کو اپنے اس قضیے کے بارے میں کچھ بتانا عذیر کے غیض و غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔

"بھئی بیٹھک ٹھیک۔ بتائیے بھابی عذیر کو اچانک ایسی کیا ایمرجنسی پڑ گئی تھی جو وہ یوں آپ کو گیٹ پر کھڑا چھوڑ کر چلے گئے۔ کم از کم سوٹ کیس تو کار میں رکھ لیا ہوتا۔" اشفاق نے الجھے الجھے لہجے میں پوچھا۔

دونوں ہی سخت متجسس نظر آ رہے تھے۔

"ہاں وہ۔ وہ اصل میں عین وقت پر کار کا ٹائر برسٹ ہو گیا تھا اس لیے وہ مجھے گیٹ پر چھوڑ کر چلے گئے، بس ابھی آتے ہی ہوں گے۔"

اصل میں تو وہ انہیں اندر چلنے کی دعوت دے کر بالکل ہی سٹ پٹا گئی تھی۔ اشفاق اس کی گھبراہٹ تاڑ کر بولا۔

"چھوڑیں پھر ایسا کرتے ہیں کہ جب تک عذیر واپس آئیں، ہم ادھر ادھر کا ایک چکر لگا آتے ہیں۔ کیوں ڈارلنگ؟" اس نے آخر میں بیوی کو مخاطب کیا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں میرا مطلب ہے یہاں کھڑے ہونے یا اندر جانے سے تو یہی بہتر ہو گا کیونکہ بھابی بھی گھبرائی ہوئی ہیں۔"

"اچھا تو پھر یہ سوٹ کیس اندر لے جاؤں یا کار میں رکھ دوں۔"

"اندر۔ اندر۔ نہیں کار میں ہی رکھ دیجیے۔" یوں لگا جیسے اس کے گلے میں الفاظ پھنس گئے ہوں اس بات پر اشفاق نے بیوی کی طرف دیکھا اور پھر سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے لے کر ڈکی میں رکھنے لگا تو ہنس کر بولا۔

"کیوں بھابی کیا اس میں سونا جمع کر کے لے جا رہی ہیں آپ جو یہ اتنا وزنی ہو رہا ہے۔" اشفاق کی بات پر آنسہ جھینپ کر بولی۔

"نہیں اتنا بھاری تو نہیں ہے ورنہ میں اسے کیسے

اٹھا کر لاتی۔" مگر اشفاق نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی۔ اور جلدی سے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر بولا۔

"چلیں تکلف برطرف اب جلدی سے بیٹھ جائیں پھر میں چائنیز میں آپ کو ڈنر کھلاؤں گا۔"

"نہیں اشفاق بھائی کھانا تو میں پیٹ بھر کر کھا چکی ہوں بلکہ آپ کے بھائی کے ساتھ ہی کھا لیا ہے۔"

"اچھا تو پھر کولڈ ڈرنک اور اسنیکس تو چل ہی جائے گا ناں۔"

اشفاق نے نورین کے بیٹھنے کے بعد کار کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش ہی رہی۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد آنسہ نے کہا۔

"اشفاق بھائی ایسا کریں مجھے آپ اسٹیشن پر ڈراپ کر دیں۔"

"کیوں خیریت تو ہے بھابی آپ اسٹیشن کیوں ڈراپ ہونا چاہتی ہیں۔" اشفاق نے انتہائی تجسس کے ساتھ پوچھا۔

"وہ اصل میں لیاقت پور میں میرے ماموں رہائش پذیر ہیں جو آج کل سخت علیل ہیں۔ بس ان کی عیادت کو جا رہی ہوں۔"

اس پر نورین نے تھوڑا اشفاق کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"مجھے تو کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔" اشفاق نے بھی آہستہ سے جواب دیا پھر آنسہ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"کیا عذیر کو معلوم ہے کہ آپ اپنے ماموں کے یہاں جا رہی ہیں۔"

"جی ہاں ان کو تو اچھی طرح معلوم ہے بلکہ وہ مجھے اسٹیشن ہی ڈراپ کرنے جا رہے تھے کہ ٹائر برسٹ ہو گیا۔"

"اوہ تو واپسی میں عذیر آپ کو وہاں موجود نہ پا کر پریشان ہو رہا ہو گا۔ پھر تو ایسا کرتے ہیں کہ پہلے آپ کے گھر چلتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ عذیر بھائی آپ کو خود ڈراپ کر دیں گے۔" نورین نے فوراً ہی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ارے نہیں نہیں بھائی اس طرح مجھے اور بھی دیر ہو جائے گی اور ٹرین نکل جائے گی۔" اس بات پر اشفاق اور بھی کھٹک گیا۔ اس نے جواب میں ایک لفظ نہیں کہا اور کار کا رخ اس کے گھر کی طرف موڑ دیا۔ پورچ میں چونکہ عذیر کی کار کھڑی تھی اس لیے اس نے پورچ سے کچھ فاصلے ہی پر کار روکی۔ تو آنسہ جلدی سے دروازہ کھول کر اتری اور کھڑکی پر تھوڑا سا جھک کر نورین سے بولی۔

"بھابی میں ذرا اندر جا کر دیکھتی ہوں۔ حضرت کب آئے۔ آپ اتنے میں اشفاق بھائی کے ساتھ اندر آ جائیے۔" اور پھر ان کا جواب سننے یا ان کے آنے کا انتظار کیے بغیر تیز تیز چلتی گھر کے داخلی دروازے پر پہنچی۔ اور بیل کے بجانے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا اور سخت جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیوں کیا تمہارے پیچھے کوئی بندوق تانے آ رہا ہے یا۔"

"شش۔ یہ بات کرنے کا وقت نہیں۔ وہ اشفاق بھائی اور بھابی آئے ہیں آپ ان کے سامنے کچھ نہیں کہیے گا۔ میں خود مناسب سمجھ کر بات بنا دوں گی۔"

اور وہ، جو کچھ بھی کہنے والا تھا۔ الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے کیونکہ وہ دونوں میاں بیوی اندر آ گئے تھے۔

"بھئی انہیں دیکھیے میں وہاں گیٹ پر ان کے انتظار میں سوکھتی رہی اور یہ اب نکل کر آئے ہیں۔" اس نے کمال چالاکی سے گویا بات بناتے ہوئے کہا۔

"ہائیں۔ مگر میں تو۔" عذیر کی سمجھ میں ان کی بات نہیں آئی۔ وہ متعجب انداز میں بولا۔

"ہاں ہاں کہہ دیں کہ دوسرا ٹائر بھی پنکچر تھا یا کوئی دوست اتفاق سے مل گیا تھا اس لیے دیر ہو گئی تھی۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"خیر ان سے تو بعد میں نمٹ لوں گی۔ آپ دونوں تشریف تو رکھیے۔ اب تو ٹرین بھی نکل گئی۔ ویسے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

بھی کافی لیٹ ہو چکی تھی۔ اچھا ایک منٹ میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔"

"ارے واہ تم تو الفاظ کی ٹرین چلانے میں بڑی ماہر نکلیں۔ اچھا خیر تم دونوں بیٹھونا آؤ ڈرائنگ روم میں چلو۔ یہاں لاؤنج میں تو بڑی گرمی ہوگی۔ آج کل یہاں کا اے سی بھی خراب ہے۔" اور پھر وہ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں بھی اس کے پیچھے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک رسمی

سی مزاج پرسی ہوتی رہی۔ تبھی برکت بوا ٹرالی دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئیں اور ان کے پیچھے آنسہ بھی۔

"ارے بھئی یہ تم نے چائے کے بجائے کھانے کا اہتمام کیا ہوتا کہ ہم نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ اور ان دونوں نے بھی نہیں کھایا ہوگا۔" اشفاق نے عذیر کی بات پر۔ پھر اپنی بیوی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"آپ نے تو جلدی آنے کی بھی کہ ہاتھ پیر پھلوا دیے تھے۔ پھر بھلا میں کیسے کھاتی۔ مگر اب چلئے آگئی ہے تو پہلے چائے، اس کے بعد کھانا بھی ہو جائے گا۔" آنسہ بولی۔

"اچھا تو آپ نے تکلف برتا تھا یہ کہہ کر کہ آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہے۔"

"ارے بھی تکلف کے علاوہ یہ شرماتی بھی ہیں اور میرے بغیر کچھ کھاتی بھی نہیں۔" عذیر نے شاید پہلی بار بات نبھائی۔

پھر دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس اثنا میں عذیر نے قریبی چائنیز ریسٹورنٹ سے چائنیز فوڈ منگوا لیا تھا۔ اور بڑے اصرار سے اشفاق اور نورین کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ مگر ہمیشہ کی طرح نورین کے سامنے وہ اشفاق سے لیا دیا سا ہی رہا۔ پھر کھانے کے بعد چند ادھر اُدھر کی بہت رسمی سی باتیں کرنے کے بعد اشفاق نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا عذیر اب ہم چلتے ہیں۔"

"ارے نہیں بیٹھو۔ اس وقت تو ان کی ٹرین

نکل گئی ہوگی۔ میں صبح کی فلائٹ سے ان کی سیٹ ریزرو کرا دوں گا۔"

عذیر نے زیرِ لب مسکرا کر کچھ اس طرح سے کہا کہ آنسہ سمجھ نہیں سکی کہ آیا وہ طنز کر رہا ہے یا سچ کہہ رہا ہے۔

اشفاق بھی اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ اشفاق کی بیوی تو بیٹھنا چاہ رہی تھی مگر اشفاق اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو پھر رکا نہیں بلکہ چلا ہی گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ داخلی دروازہ لاک کر کے سیدھا آنسہ کے

پاس آیا جو بیڈ روم میں چلی آئی تھی اور اس کی ناک کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اپنی یہ کہاں رکھ آئیں۔ یوں تو بڑا نخرہ کر کے بڑے طمطراق سے گئی تھیں۔ کم از کم یہ تو سوچ لیا ہوتا کہ یہاں اس اتنے بڑے شہر میں کوئی دوسرا ٹھکانا ہے ہی نہیں تمہارا۔ اونہہ گھر کی سہی الٹی کھاٹ کی۔ اس پر میرے دشمنوں کے سامنے میری ناک بھی کٹوا دی۔ اب وہ نورین جا کر سارے خاندان میں اعلان کرلے گی کہ تم رات کی تاریکی میں سامان لے کر گھر سے بھاگ رہی تھیں کہ اس نے تمہیں راستے میں ہی رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ اور میرے پاس لے آئی۔" وہ اسے لعنت ملامت کرنے لگا۔

"جی نہیں، میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے انہیں شک گزرتا۔"

پھر آنسہ نے اشفاق اور اس کی بیوی کے اچانک وارد ہونے اور اپنے بہانا بنانے کی تفصیل سنا کر کہا۔

"میں تو بس اس بات سے ڈر رہی تھی کہ کہیں آپ کے منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نہ نکل جائے مگر خدا کا شکر ہے کہ۔"

"میں کیا بولتا میں تو یہ سوچے بیٹھا تھا کہ اگر تم نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو پھر میں شروع ہو جاؤں گا خواہ اس میں میری بدنامی ہو یا رسوائی۔"

"وہ اگر اب نہیں ہوئی تو میرے جانے کے بعد ضرور ہوگی۔ آخر آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔ کیا میں یہاں رہ پڑنے کے لیے آئی ہوں۔ میں تو ابھی ابھی پھر

جا رہی ہوں خواہ ٹرین ملے یا نہ ملے میں ویٹنگ روم میں رات گزاروں گی۔" وہ اس کی ملامت آمیز گفتگو پر جل کر بولی۔

"خیر۔ خیر مجھے تمہارے جانے سے کوئی غرض ہے نہ اعتراض اور نہ ہی میں تمہیں روکوں گا۔ مگر اس وقت تمہیں جانے نہیں دوں گا۔ اس لیے تم اطمینان سے لیٹو بیٹھو۔ جو چاہو کرو۔ میں صبح سب سے پہلا کام یہی کام کروں گا کہ جہاز سے تمہاری سیٹ ریزرو کروا دوں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ بیڈ روم سے باہر نکلا تو اس نے بھاگ کر کمرے کا اندر سے کھٹکا لگا لیا اور آرام سے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ عذیر نے اس پر بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔ وہ کچھ ہی دیر بعد سو گئی۔

صبح سویرے ہی اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ جلدی سے لباس تبدیل کر کے بیڈ روم سے باہر نکل آئی۔ سے یاد آیا کہ اس روز چھٹی تھی اور چھٹی والے دن وہ دیر سے اٹھتا تھا۔ وقت گزاری کے لیے وہ کچن میں آکر اس کے لیے بیڈ ٹی تیار کرنے لگی۔ برکت بوا صرف ناشتا اور کھانا تیار کرتی تھیں۔ بہرحال وہ اس کی بیڈ ٹی لے کر اس کمرے تک آئی جس میں سویا تھا تو آئینے کے سامنے کھڑا شیو کرتے ہوئے پایا۔ اس کی عادت تھی شیشہ قریب کر کے شیو کرتا تھا اس لیے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے بجائے دیوار میں لگا آئینہ استعمال کرتا تھا۔ اس نے خاموشی سے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر چائے کی پیالی رکھ دی۔

"بیٹھو۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"ہوائی کمپنی میرے باپ کی ذاتی ملکیت ہے نہ عملہ بے داموں کا غلام۔ ابھی صبح ہوئی ہے تھوڑا دن چڑھ جانے پھر بات کروں گا۔ ہاں اگر میری موجودگی تمہیں کھل رہی ہے تو میں ابھی چلا جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ کی موجودگی مجھے کیوں کھلنے لگی۔ میں تو یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہ رہی تھی۔ خیر جہاں اتنا انتظار کیا ہے کچھ دیر اور سہی۔"

"ٹھیک ہے چلی جانا۔ بس ذرا معلومات کر لوں

پھر۔"

"ٹرین کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بس اس کے ٹائمنگز مقرر ہیں۔ دن کے دو بجے اور رات کے آٹھ بجے روانگی ہوتی ہے۔ رات کو جانے سے بہتر ہوگا کہ دن کو جاؤں۔ آج کل اسٹیشنوں پر رش زیادہ ہوتا ہے۔ ایسا کروں گی کہ ذرا پہلے چلی جاؤں گی۔ ٹکٹ بھی تو خریدنا ہوگا۔"

"نہیں ٹرین سے نہیں تم پلین سے جاؤ گی اور میں تمہیں کار میں ایئرپورٹ پر چھوڑ آؤں گا۔"

"نہیں آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی ٹیکسی منگا کر چلی جاؤں گی۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ٹوائلٹ میں جا کر منہ دھویا اور کمرے میں آکر فون کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

"حد ہوگئی۔ تم نے یہ تو بتایا نہیں کہ جانا کہاں ہے۔"

"کیا بتاتی آپ نے پوچھا ہی کب تھا۔"

"واہ واہ وہی مثل ہوگئی کہ ہماری جوتی اور ہمارا ہی سر کسی بات میں بھی نیچے اترنے کی عادت نہیں۔" وہ قدرے چڑ کر بولا۔ اور ریسیور اٹھا کر پھر نمبر ڈائل کیا۔ اور وہ جو اس سے نظریں کترائے بیٹھی تھی جلدی سے بولی۔

"میں ماموں جان کے یہاں لیاقت پور جاؤں گی۔"

اس نے پھر ریسیور اٹھا کر کوئی نمبر ڈائل کیا۔ کچھ دیر فون پر ہوں ہاں کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر بولا۔

"او مائی گاڈ۔ وہاں تو لیاقت پور کوئی فلائٹ ہی نہیں جاتی میرے خیال میں تو وہاں کوئی ایئرپورٹ ہے ہی نہیں۔"

اور اس کا دل چاہا اس سے کہے کہ تم نے کسی بات تو کی نہیں پھر یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ لیاقت پور میں کوئی ایئرپورٹ ہی نہیں مگر وہ خاموش ہی رہی۔ اصل میں تو وہ وقت کا انتظار کر رہی تھی کہ جیسے ہی گیارہ بجیں گے وہ اپنا سوٹ کیس لے کر اس گھر سے نکل جائے گی۔ وہ بھی اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔ اور اس نے یہی غنیمت سمجھا بلکہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ جب تک وہ یہاں سے روانہ ہو عذیر کمرے سے باہر ہی رہے۔ اور ہوا بھی یہی۔ ساڑھے گیارہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

بج گئے مگر وہ کمرے میں نہیں آیا۔ وہ تیار تو بیٹھی تھی۔ اپنا سوٹ کیس اٹھا کر جانے لگی تو دروازے سے اس کی گرجدار آواز آئی۔

"آنسہ تم اس وقت کہیں نہیں جاؤ گی۔"

"واہ کیوں نہیں جاؤں گی؟" وہ بھی اکڑ کر بولی۔

"دیکھو دن کے وقت یہ سوٹ کیس لے کر یہاں سے نکلنا کسی طرح مناسب نہیں۔" وہ سمجھانے کے سے انداز میں بولا۔

"مگر آپ تو مجھے ڈراپ کرنے جا رہے تھے۔"

"نہیں میں تو صرف ایئرپورٹ لے جانے کو کہہ رہا تھا۔ اسٹیشن نہیں۔"

"مگر میں ایسے مفروضوں کی پابند نہیں ہوں۔ میں نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو جا کر رہوں گی۔ مجھے روکنے کا آپ کوئی حق نہیں رکھتے۔" وہ ہٹیلے سے انداز میں بگڑ کر بولی۔ تو اسے بھی غصہ آ گیا بڑے جذب کے عالم میں بولا۔

"تم اپنی اوقات بھول گئی ہو ورنہ اتنی سرکشی کبھی نہ دکھاتیں۔"

"اوقات تو آپ اپنی دکھا رہے ہیں۔ اور سرکشی مجھے جتلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ان باتوں سے میں مرعوب ہونے والی نہیں ہوں۔ بس میں جانے کا قصد کر چکی ہوں تو جا کر رہوں گی۔ واہ چوری اوپر سے سینہ زوری۔ ایک تو اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہیں اور اس پر دوسروں سے اپنی اس کمزوری کو چھپاتے بھی ہیں تاکہ لوگوں کے استہزاء کا نشانہ نہ بنیں۔ مگر مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ۔" وہ اب تک بہت ضبط سے کام لیتی آئی تھی ایک دم ہی پھٹ پڑی۔

"سزا تو میں اب تمہیں دوں گا۔ تم اس وقت تک اس کمرے میں قید رہو گی جب تک میں خود تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔ احسان فراموش عورت میں نے تو تم پر ترس کھا کر اس لیے تم سے شادی کی تھی کہ تمہارے باپ نے۔ دوسری شادی کر کے لاوارثوں کی طرح تمہیں ہوسٹل میں داخل کر رکھا تھا اور خود دوبئی جا کر بیٹھ گیا تھا۔ مگر تم سے ہمدردی کرنا بھی میرے لیے الٹی مصیبت بن گیا۔" وہ بھی انتہائی غیظ کے عالم میں بولا۔ اور کمرے سے باہر نکل کر کھٹکا لگایا اور دروازے کو لاکڈ کر دیا اور وہ بھاگ کر دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پیٹتی رہی مگر کون سنتا۔ وہ تو بہرا ہو گیا تھا۔ پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ اتنا روئی، اتنا روئی کہ اشکوں کے ساگر میں سیلاب آ گیا۔ وہ دن اس نے یونہی روتے روتے ایک ہی جگہ بیٹھ کر گزار دیا۔ حتیٰ کہ رات بھی۔ اگلی صبح آٹھ بجے کے قریب دروازہ کھلا اور برکت بوا ہاتھ میں چائے اور ناشتا لے کر اندر آئیں اور ٹرے کو اس کے آگے تپائی پر رکھ کر چپ چاپ واپس چلی گئیں۔ کمرے کو پھر مقفل کر دیا۔

آنسہ نے ناشتے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بس اپنی پھوٹی قسمت کو روتی رہی۔ کہ باپ نے تو اس کی صغر سنی میں ہی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کر لی تھی اور ان تینوں ماں بیٹیوں کو بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو اس کے ابو کے ایک جگری دوست نے انہیں سمجھایا بجھایا تھا کہ ساتھ نہیں نبھا سکتے تو کم از کم نان نفقہ ہی دے دیا کرو۔ تب جا کر انہوں نے ان تینوں کا خرچ باندھا تھا۔ دبئی جانے کے بعد اس کے ابو نے خود اس رقم میں اضافہ کر دیا تھا جو وہ ماہانہ اس کی والدہ کو بھیجتے تھے۔ اصل میں تو وہ ایک وسیع جائیداد کے مالک تھے اس لیے بیٹے کی صورت میں اپنا وارث چاہتے تھے لیکن دوسری بیوی سے بھی ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے تیسری شادی کی جو ایک بیٹے کو جنم دے کر مر گئی تھی۔ ابو پھر دوسری بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے کیونکہ تیسری شادی کے موقع پر انہوں نے اس کی امی کو طلاق دے دی تھی اور اس کی امی اس کے ابو کی کج ادائیوں اور ناروا سلوک کے نتیجے میں بیمار رہتی تھیں۔

جب ابو نے انہیں طلاق نامہ بھیجا تو رنج والم کے مارے انہوں نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا۔ چھوٹی بہن کی شادی کے بعد تو وہ بستر سے ہی جا لگی تھیں بس ایک دن دنیا کے سارے جھنجٹوں سے آزاد ہو گئیں۔ ان دنوں وہ عذیر کے ساتھ مڈل ایسٹ کے ایک شہر میں رہائش پذیر تھی۔ والدہ چونکہ بالکل تنہا تھیں اس لیے ان کی رحلت کی خبر بھی اسے بہت تاخیر سے ملی تھی۔ ان کا تمام اثاثہ بیچ کر چھوٹی بہن کا شوہر مزمل حسین آسٹریلیا چلا گیا تھا اور اس نے آنسہ کو ماں کے انتقال کی خبر پہنچائی تھی۔ جسے سن کر وہ بہت روئی تھی۔ مگر رونے دھونے سے غم تو نہیں دھل جاتے۔ البتہ دل پر چھایا غموں کا بوجھ اور غبار ضرور تھوڑا بہت ڈھل جاتا ہے۔ اور عذیر نے تو اس کی اشک شوئی اور دلجوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا چھوڑی تھی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ عذیر نے نہ صرف خلوص اور ہمدردی کی بنیاد پر بلکہ اس پر ترس کھا کر اس سے شادی کی تھی۔ اتفاق سے عذیر ان دنوں ایم ڈی کے عہدے پر نیا نیا فائز ہوا تھا۔ اور اس دن جس روز بہت اتفاقیہ اس کی مڈبھیڑ (کیونکہ ملاقات کہنا صحیح نہ ہوگا) آنسہ سے ہوئی تھی وہ آنسہ کا بورڈنگ میں آخری دن تھا۔ اصل میں وہ گریجویشن کرنے کے بعد ہوسٹل کی رہائش چھوڑ کر اپنے گھر جا رہی تھی۔ کیونکہ اپنے لیے ملازمت تلاش کرنی تھی۔ اس کی ایک ہم جماعت فریحہ نے اسے مشورہ دیا کہ اس کا بھائی جس محکمے میں ملازم ہے۔ اس میں لیڈی سپروائزر کی اسامی خالی ہے۔ تم وہاں اپلائی کرو۔ میرا بھائی سیکنڈ باس ہے تمہاری سفارش کر دے گا۔

وہ ماں سے ملنے جانا چاہ رہی تھی اور فریحہ کی بات مان ہی نہیں رہی تھی مگر جب اس نے سمجھایا کہ نوکریاں کوئی آسانی سے تو نہیں ملتی۔ تم قسمت آزمائی تو کرو۔ ایسا ہی ہے تو آنٹی سے ملنے بھی چلی جانا۔ اس وقت تک شاید تمہیں ملازمت مل جائے۔ تم واپس آ کر جوائن کر لینا۔ اور اگر نہ ملے تو واپس چلی جانا۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ اپائنٹمنٹ تمہارے گھر پر ہی بھیج دیا جائے۔ مگر پہلے تم سیکنڈ باس سے مل لو۔ اور یوں وہ بہت سادہ سا لباس پہن کر نہایت سادگی کے ساتھ عذیر سے ملنے پہنچی۔ فریحہ کے بھائی نے پہلے سے ہی آنسہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر اس کے بارے میں کچھ ایسا المناک تاثر باندھا تھا کہ عذیر کے دل میں اس کے لیے بے پناہ ہمدردی اتر آئی۔ اس نے ملازمت دینے کے بجائے اسے پرپوز کر ڈالا۔ مگر وہ کسی طور پر راضی نہیں ہوئی تھی۔ مگر فریحہ اور اس کے بھائی نے اسے اونچ نیچ سمجھا کر یہ کہا کہ قدرت نے ایک زریں موقع فراہم کیا ہے۔ تم اسے ضائع نہ کرو۔ تب کہیں جا کر وہ وہ شادی کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ ماں کی اجازت یعنی ضروری تھی اس لیے وہ صرف تین چار دن کے لیے ماں سے ملنے گئی تھی۔ مگر فریحہ اور اس کے بھائی نے مل کر عذیر سے کہا "آپ تیاری کر کے آنسہ کے آنے سے پہلے بارات لے کر آنسہ کی امی کے یہاں پہنچ جائیں" اسی طرح اس کی والدہ کی تسلی ہو جائے گی۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔ اور اس طرح عذیر کو بھی پتا چل گیا کہ آنسہ ایک اچھے اور شریف خاندان کی لڑکی ہے۔ بہرحال ہنسی خوشی عزت کے ساتھ دونوں کی شادی انجام پائی۔ ماں نے بھی جو کچھ ہو سکتا تھا بیٹی اور داماد کو دے دیا تھا۔ عذیر کے ساتھ وہ اس کے گھر آئی تو ایسی کہ پھر ماں کے یہاں جانا نصیب ہی نہ ہو سکا۔ یوں تو عذیر اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس نے کبھی اپنے روپے پیسے کو بھی اس پر اہمیت نہیں دی تھی۔ ایک معقول رقم ہر ماہ اسے دیتا تھا۔ اعلا درجے کا لباس پہناتا تھا اور عمدہ عمدہ کھانے کھلاتا تھا۔ حتیٰ کہ کبھی کبھی زیور بھی بنا دیتا تھا۔ دو برس تو نہایت سکون اور خاموشی سے گزر گئے تھے مگر پھر خود عذیر کے دوستوں کی بیویوں نے اس کی گود خالی ہونے پر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ اور جس نے کہا یہی کہا کہ اب تک تو بچہ ہو جانا چاہیے تھا۔ اسے خود اولاد ہونے کی بڑی خواہش تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی ماں بنے اور اپنے بچے کو بڑے ناز و نعم سے پالے۔ وہ کئی بار اپنی اس خواہش کا اظہار عذیر سے کر چکی تھی۔ مگر عذیر نے شروع شروع میں تو اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ تو اس نے اس کے دوستوں کی بیویوں سے کہا آپ لوگ خود ہی عذیر سے بات کریں۔ اور ان میں سے بعض نے ہنسی ہنسی میں کہہ ہی دیا۔

"عذیر بھائی! آپ کے گھر میں ماشاء اللہ سب کچھ ہے بس صرف ایک چیز کی کمی ہے۔" یا پھر "عذیر بھائی بغیر بچے کے یہ گھر سونا سونا لگتا ہے۔ بس اب کسی گڈے یا گڑیا کو آ جانا ہی چاہیے۔"

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"اجی ایک ہی پر کیا موقوف آپ کہیں گی تو میں کل ہی درجن بھر گڈے اور گڑیاں بازار سے خرید لاؤں گا۔"

"اب زیادہ نہ بنیئے بڑے چالاک ہیں آپ اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارا اشارہ جیتے جاگتے گڈے کی طرف ہے۔"

"سوتی جاگتی گڑیا تو سنی تھی، یہ جیتے جاگتے گڈے کیسے ہوتے ہیں؟ میں غور کروں گا۔" اس نے بات کو ہنسی میں ٹالا۔

"اے چھوڑو بھئی یہ سب کچھ سمجھ کر بھی انجان بنتے ہیں۔ انہیں تو آنسہ ہی سمجھائیں گی۔" کوئی اس کے جوابات سے زچ ہو کر کہتی۔ اور جب وہ گھر میں تنہا ہوتی تو وہ بھی یہی مطالبہ کرتی۔ جسے سن کر عام طور پر تو وہ خاموش ہو جاتا۔ مگر ایک دن وہ سخت بیزاری سے بولا۔

"دیکھو آنسہ تم اپنی جائز اور ناجائز ہر خواہش کا مطالبہ کر سکتی ہو مگر آئندہ اپنی اس خواہش کا اظہار کبھی نہ کرنا۔"

"کیوں، بھلا کیوں نہ کروں؟" اس نے قدرے اٹھلا کر پوچھا۔

"بس ایک مرتبہ پہلی اور آخری بار سن لو کہ مجھے بچے بالکل پسند نہیں۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

"مگر کیوں پسند نہیں بچے تو ایک نعمت ہوتے ہیں والدین کے لیے۔"

"ہوتے ہوں گے مگر میں یہ کسی قیمت پر پسند نہیں کروں گا کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی حائل ہو کر تمہیں مجھ سے دور کر دے۔ اور ظاہر ہے جب کوئی بچہ آئے گا تو اس کی محبت میں تم مجھے بھول جاؤ گی۔" اور اس کی بات پر وہ خوش ہو کر ہنستے ہوئے بولی۔

"واہ یہ بھی اچھی منطق ہے۔ اچھا میں قسم کھاتی ہوں کہ میں بچے پر بالکل توجہ نہیں دوں گی۔"

"واہ۔ یہ ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔ تم قسم کھا رہی ہو مگر جب تمہاری ممتا پھڑکے گی تو ساری قسمیں اور عہد بھول جاؤ گی۔"

"اُن گڈ گاڈ۔" اس نے بات کرتے کرتے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا کچھ بھول گئے ہیں آپ؟" وانی نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ اپنے محکمے سے ایک کونٹریکٹ کے سلسلے میں فون کرنا تھا۔" اتنا کہہ کر اس نے سامنے رکھا ہوا فون آنسہ سے ہی منگایا اور کوئی نمبر ڈائل کرنے کی کوشش کرتا رہا جو ملا ہی نہیں۔ اس روز تو اس طرح بات ٹل گئی تھی۔ مگر پھر موقع دیکھ کر اس نے کئی بار یہ موضوع چھیڑا لیکن ہر بار عذیر یہ موضوع ٹال گیا۔ اس کے بعد تو بحث بڑھتے بڑھتے بدمزگی کی نوبت آ گئی۔ پھر اس نے عذیر سے مخفی رکھ کر اپنا میڈیکل چیک اپ بھی کرا لیا۔ اور وہ ٹھیک ٹھاک نکلا۔ پہلے خوشی میں اس نے سوچا کہ عذیر کو رپورٹ دکھائے مگر پھر کچھ سوچ کر رپورٹ چھپا لی۔ اور عذیر کے پیچھے پڑ گئی کہ وہ اپنا چیک اپ کرائے مگر وہ کسی طرح راضی ہی نہیں ہوا۔ اس بات پر اسے یقین سا ہو گیا کہ عذیر میں یقیناً کوئی خامی ہے۔ جبھی تو وہ چیک اپ کرانے کے نام سے ہی بدکتا ہے۔ اور اب اس نے آنسہ کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا تھا، اس سے تو آنسہ کو پختہ یقین ہو گیا تھا۔

دوسرے دن بھی یہی کچھ ہوا۔ بوا ناشتے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئیں۔ گزشتہ روز کا ناشتا اور چائے وغیرہ ٹرے میں جوں کا توں دھرا تھا۔ انہوں نے وہ ٹرے اٹھا کر نئی ٹرے چائے اور ناشتے کے لوازمات کے ساتھ تپائی پر رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"بیگم صاحب آپ کچھ تو کھا لیں۔" اور پھر فوراً ہی دوسری ٹرے اٹھا کر باہر چلی گئیں وہ دروازے پر ہی کھڑا تھا اس لیے برکت بوا آنسہ سے مزید کچھ نہ کہہ سکیں۔ وہ بھی بالکل ساکت سی بیٹھی رہی۔ دو دن سے اس کے منہ میں ایک کھیل بھی اڑ کر نہیں گئی تھی نہ پانی کی ایک بوند۔ اب تو اشکوں کا خزانہ بھی خشک ہو گیا تھا۔ آخر کتنا روتی رہتی اپنی قسمت کو۔

تیسری صبح برکت بوا ہاتھ میں تازے تازے ناشتے کی ٹرے تھامے اندر آئیں تو دیکھا وہ ہاتھ پیر چھوڑے صوفے پر ڈھلکی پڑی ہے۔ خدا خیر کرے برکت بوا کا ماتھا ٹھنکا۔ ہاتھ میں پکڑی ٹرے زمین پر رکھ کر وہ صاحب صاحب پکارتی اس پر جھکیں۔ ماتھے کو چھو کر دیکھا۔ نبض دیکھی۔ سب کچھ ٹھنڈا پڑا تھا۔ زور زور سے پکارنے پر عذیر اندر آ گیا تھا۔ اس نے بھی آنسہ کو ہلا جھلا کر دیکھا اور بھاگ کر فون تک پہنچا۔ ریسیور اٹھا کر ایمبولنس طلب کی اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ تیسرا دن تھا۔ آنسہ کو دن چڑھے ہوش آیا تھا۔ عذیر اسپتال کے روم کے باہر اشفاق کے ساتھ دیوار سے لگا خاموش کھڑا تھا کہ ایک نرس نے آ کر کہا۔

"آپ دونوں میں سے مسز عذیر کے جو شوہر ہیں انہیں ڈاکٹر صاحب نے اپنے روم میں طلب کیا ہے۔" تو اس نے اشارے سے اشفاق سے کہا کہ "تم چلے جاؤ۔"

"نہیں تبھی تم جاؤ۔ آخر شوہر ہو تمہارا جانا ضروری ہے۔ بھلا میں ڈاکٹر سے کیا بات کروں گا۔" اشفاق قدرے تیز لہجے میں بولا۔

"اچھا پھر تم ایسا کرو کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

"مگر میرا تمہارے ساتھ چلنا کسی طرح مناسب نہیں۔ جاؤ دیر نہ کرو۔"

"ارے یار ڈاکٹر نے مجھ سے زہر خورانی کے بارے میں پوچھا۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔ تم اگر ساتھ نہ ہو گے تو کم از کم بات تو سنبھال لو گے۔"

"ایں کیا کہہ رہے ہو کیسی زہر خورانی۔ کیا تم نے بھابی کو کوئی زہریلی چیز کھلا دی تھی؟" اشفاق کے تیور زہر کا ذکر سن کر ایک دم ہی بگڑ گئے۔

"ارے نہیں میں نے نہیں۔ شاید انہوں نے خود کھایا تھا۔" اس نے گویا اپنی صفائی میں کہا۔

"افوہ اتنی خطرناک فطرت ہے تمہاری میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اشفاق نے انتہائی ناگواری سے کہا اور پھر عذیر سے بولا۔

"چلو۔ چل کر دیکھو تو۔ ڈاکٹر کوئی بد خبر تو نہیں سنانے والا۔" اور پھر تیز قدم اٹھاتا ہوا ڈاکٹر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ عذیر بھی اسی تیزی میں اس کے ساتھ ہو گیا۔

ڈاکٹر اونچی بڑی سی میز کے آگے بیٹھا اپنے آگے ایک فائل کھولے اس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اشفاق نے کھنکار کر اپنی آمد کو جتایا۔ اور ڈاکٹر کے متوجہ ہوتے ہی اس نے جلدی سے عذیر کا تعارف اس سے کرایا۔ اصل میں آنسہ کو ایڈمٹ کرتے ہوئے جس ڈاکٹر سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تھی وہ کوئی اور ڈاکٹر تھا۔

ڈاکٹر نے اشارے سے دونوں کو بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر فائل بند کر کے ایک بڑا سا خاکی لفافہ نکالا۔ اور عذیر سے مخاطب ہو کر بولا۔

"آپ کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے مسٹر عذیر کہ آپ کی مسز زہر خورانی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ بلکہ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہو گئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہوں نے کئی دنوں سے کچھ کھایا ہی نہیں ہو۔"

"لیکن ڈاکٹر یہ کیسے ممکن ہے۔ بھلا ایسا کیونکر ممکن ہے کہ انہوں نے کئی دنوں سے کچھ کھایا ہی نہ ہو۔" اشفاق جو ہر بات سے لاعلم تھا۔ وہ بے یقینی کے سے انداز میں بولا۔

"ٹیسٹ رپورٹ تو یہی بتاتی ہے کہ ان کا معدہ بالکل خالی ہے۔ صرف کمزوری کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہو گئی تھی۔"

ڈاکٹر نے لفافے میں سے ایک اور رپورٹ نکالتے ہوئے عذیر کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کے کتنے بچے ہیں مسٹر عذیر؟"

"ایک بھی نہیں جبکہ شادی کو چوتھا سال شروع ہوا ہے۔" عذیر کے بجائے اشفاق نے بتایا۔

"پھر تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ کی مسز پریگنینٹ ہیں۔"

"ہیں۔" وہ اتنے زور سے چونکا جیسے ڈاکٹر کے اس انکشاف نے اس کے سینے پر بھالا سا مار دیا ہو۔

"اوہ۔ مبارک ہو۔" اشفاق نے خوش ہو کر کہا۔ مگر وہ جیسے بلبلا اٹھا۔

"نہیں نہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ یہ کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔"

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"ہائیں کیوں ممکن نہیں۔ ارے یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے عذیر، تم شاید جھینپ رہے ہو یا پھر چھپانا چاہتے ہو۔" اشفاق نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں اب میں اتنا شرمیلا ہوں نہ مصلحت کوش لیکن۔ لیکن۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ جبکہ وہ کہنا چاہ رہا تھا۔ میرے اولاد ہو ہی نہیں سکتی تو پھر اولاد ہونے کا کیا سوال۔ اس کی مسلسل تردید سن کر ڈاکٹر کچھ الجھ کر بولا۔

"شاید آپ اپنی یا اپنی مسز کی میڈیکل رپورٹ دیکھ کر کہہ رہے ہیں مگر یہ تو۔" تو وہ ڈاکٹر کی بات کاٹ کر بولا۔

"نہیں ڈاکٹر میں نے آج تک کبھی اپنا میڈیکل چیک اپ کرایا ہے نہ اپنی بیوی کا۔"

"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" ڈاکٹر نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

"افوہ مسئلہ وسئلہ کیسا میں کبھی اور کسی قیمت پر ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوں کہ میری بیوی پریگننٹ ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ یقین کرنے پر تیار نہیں تو یہ دیکھیے۔ یہ اپنی وائف کی میڈیکل رپورٹ۔" "نہیں یہ فضول چیز مجھے دکھانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں ایسی کسی چیز پر یقین ہی نہیں رکھتا۔"

"ہوں۔ دماغ تو درست ہے تمہارا۔ یعنی اب میڈیکل رپورٹ کو بھی جھوٹا سمجھ رہے ہو۔" اشفاق نے بگڑتے بگڑتے انداز میں کہا۔

"اشفاق پلیز یو ڈونٹ انٹرفیئر۔ (تم اس معاملے میں دخل نہ دو۔)"

ڈاکٹر نے بھی سر کے اشارے سے اشفاق کو کچھ کہنے سے منع کیا۔ اور عذیر سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اینی وے مسٹر عذیر! میں نے آپ کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے۔ آپ اگر ماننے کو تیار نہیں تو بھی اپنی وائف کا پورا پورا خیال رکھیں کیونکہ وہ بہت کمزور ہیں۔ میں انہیں یہ نسخہ لکھ کر دے رہا ہوں آپ نہ صرف پابندی سے یہ دوائیں انہیں کھلائیے گا بلکہ عمدہ مقوی خوراک بھی دیجیے گا۔"

ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر اسے تھمانا چاہا تو اشفاق نے ہاتھ بڑھا کر وہ نسخہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"کیا مسز عذیر ابھی کچھ روز یہاں رہیں گی۔" اس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"نہیں آپ بڑے شوق سے انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔ کمزوری کے سوا انہیں ذرا بھی کوئی شکایت نہیں۔ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر نے پہلے سے تیار بل عذیر کو دے دیا۔ عذیر نے جیب سے بٹوہ نکال کر خاموشی سے بل ادا کیا۔ ڈاکٹر کو بل وصول کر کے شکریہ ادا کرتا ہوا اٹھ کر چلا گیا تھا۔ مگر عذیر خاموش کھڑا سوچتا رہا۔

"بھئی اب کیا ساری عمر یہیں کھڑے کھڑے گزار دو گے۔ ایسا کرو تم بھابی کو لے کر گھر چلو میں ان کی دوائیں لے کر ابھی آتا ہوں۔"

"نہیں، یہ نسخہ مجھے دو میں دوائیں لے کر آتا ہوں۔" اتنے میں تم آنسہ کو گھر لے جاؤ۔" اس نے اپنے خیالات سے چونکتے ہوئے کہا۔

اور پھر اشفاق کے ہاتھ سے نسخہ لے کر اس نے تیزی سے باہر کا رخ کیا۔ تب ناچار اشفاق آنسہ کو لے کر گھر آ گیا۔

سارے راستے آنسہ نیم بے ہوشی کے عالم میں رہی تھی۔ اشفاق نے گھر پہنچتے ہی برکت بوا کو بلایا اور ان کا سہارا لے کر آنسہ بدقت تمام اپنے کمرے میں آئی۔ اشفاق بھی اس کے پیچھے کمرے میں آ گیا۔

وہ آنکھیں بند کیے لیکن چادر اوپر ڈالے خاموش لیٹی تھی۔

اشفاق نے برکت بوا سے اس کے لیے گرم دودھ منگوایا اور آہستہ آہستہ بوا کو تاکید کرنے لگا کہ وہ اس کا خیال رکھیں اور اسے پابندی سے دوا کھلا دیا کریں۔ اگر خود نہ پلا سکیں تو صاحب کو یاد دلا دیا کریں بے چاری بہت کمزور ہو رہی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جا سکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہے۔"
"اے میاں! کمزور نہ ہوں گی تو پھر کیا ہوں گی۔ بے چاری کو صاحب نے تین روز سے کمرے میں بند کر رکھا ہے۔" پھر برکت بُوا نے اشفاق کو تفصیل سے ہر بات بتائی۔ جسے سُن کر اشفاق سناٹے میں آ گیا۔

گو برکت بُوا نے دونوں میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہونے کی وجوہات سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تھا مگر اشفاق، برکت بُوا کی زبانی تین دن تک آنسہ کو کمرے میں بند رکھنے کی تفصیل اور پھر ڈاکٹر کے سامنے بگڑ بگڑ کر اور جز بز ہو کر یہ کہنا کہ آنسہ امید سے ہو ہی نہیں سکتی پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ عذیر یقیناً اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ اپنی کمزوری چھپانے کے لیے خوش ہونے کے بجائے بیوی کے امید سے ہونے کی خبر سُن کر اتنا تپھا دکھا رہا تھا۔ اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ آنسہ سے بھی اس مسئلے کے بارے میں گفتگو کرے مگر ایک تو وہ ہنوز سخت کمزوری اور ڈپیریشن کا شکار تھی، دوسرے وہ کچھ فطرتاً بہت شرمیلی تھی، اس لیے اشفاق نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس سے کچھ پوچھے۔

اسے تو عذیر کا انتظار تھا جو کافی تاخیر سے آیا تھا اور آتے ہی تمام دوائیں اسے تھما کر بولا۔

"لو، یہ تم ہی دیکھ دا کر آنسہ کو پلا دو۔"

"نہیں بھئی! میں نے تمہاری بیوی کا ٹھیکہ تو نہیں لیا۔ تم خود ہی یہ دوائیں بھابی کو کھلانا۔ میں تو اب چلا۔" اشفاق نے بڑے نروٹھے پن سے کہا۔ عذیر سمجھا کہ وہ اس کے دیر سے آنے پر

ناراض ہے۔ معذرتی لہجے میں بولا۔

"یہ دو دوائیں ہیں یہ بڑی مشکل سے ملی ہیں کتنی میڈیکل اسٹورز میں تلاش کے بعد۔"

"مجھے اس سے غرض نہیں کہ دوائیں دیر سے ملیں یا جلدی۔ مجھے تو تم یہ بتاؤ کہ بھابی کی یہ درگت کس نے بنائی؟" اشفاق نے کڑے تیور سے پوچھا۔

"بھئی خود کردہ لاعلاج نیست۔ خود انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی میں اپنی یہ درگت بنائی ہے۔"

"ہاں اور اسی جرم کی پاداش میں تم نے تین دن انہیں حبس بے جا میں رکھا۔ وہ بھی بھوکا پیاسا۔ کچھ معلوم بھی ہے کسی کو حبسِ بے جا میں رکھنے کی سزا کیا ہوتی ہے بڑا تمہیں اپنی خودی پر اور اپنی تعلیم پر فخر ہے۔ تم سے بڑا جاہل میں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔"

"اُفوہ پہلے میری بات تو سُنو۔ میں سچ کہتا ہوں میری نیت آنسہ کو قید کرنے کی نہیں تھی بس وہ تو مجھے اس کی چرب زبانی اور گستاخی پر غصہ آ گیا تھا۔" وہ اشفاق کی ملامت بھری گفتگو سے گھبرا کر بولا۔

"مگر بھابی جیسی بے زبان اور باحیا ہستی نے آخر کس بات سے مجبور ہو کر تم سے گستاخانہ رویہ اختیار کیا تھا؟" اشفاق نے پوچھا۔

"وہ... وہ بس ان کی ایک ہی رٹ تھی جسے کم از کم میں پورا کرنے سے قاصر تھا۔ مگر ڈاکٹر نے ان کی خواہش کے مطابق رپورٹ تو پیش کر دی۔" اس نے گھبرا کر وجہ بتائی تو اشفاق نے چیخ کر پوچھا۔

"تو کیا تمہارے خیال میں ڈاکٹر نے اپنے دل سے گھڑ کر بھابی کی رپورٹ تیار کی ہے۔ بولو بتاؤ۔ یہ تم ڈاکٹر کے سامنے اتنی جہالت کی باتیں کیوں کر رہے تھے کہ میں شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا اور جس طرح اس نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ تمہاری دماغی صحت کی طرف سے مشکوک تھا۔ آخر تم کس وجہ سے اس کی رپورٹ کی تردید کر رہے تھے کیا تم اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں تھے یا پھر تم نے آدھا درجن اولادیں کہیں اور چھپا کر رکھی ہوئی ہیں جنہیں دوسروں کو دکھاتے ہوئے تم شرماتے ہو؟"

"اُفوہ! بھئی تم سمجھتے کیوں نہیں اشفاق! ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ بلکہ میرے..."

"تمہارے اندر ہی خامی ہے جسے تم سب سے چھپانا چاہتے ہو؟"

"تم... تم حد سے بڑھ رہے ہو اشفاق! جبکہ میں اپنے معاملات میں کسی کا دخل برداشت نہیں کر سکتا۔"

"لیکن میں کسی میں شامل نہیں ہوں عذیر! میں تمہارا پھوپھی زاد ہی نہیں دوست بھی ہوں مگر تم نے اپنی اور میری دوستی کے درمیان خواہ مخواہ رخنہ ڈالا صرف اس وجہ سے کہ میں نے تمہاری بہن سے شادی کر لی۔ تم اس کے ساتھ ہمیشہ ناروا سلوک کرتے رہے ہو۔ اس کے باوجود وہ تمہاری محبت کا دم بھرتی ہے۔ بھائی جان، بھائی جان کہہ کر اس کا منہ خشک ہوتا ہے اسی بات پر کئی بار وہ مجھ سے ڈانٹ کھا چکی ہے مگر وہ کہتی ہے تو یہی کہتی ہے کہ میرا ایک ہی تو بھائی ہے، میں اسے نہیں چاہوں گی تو بھلا کس کو چاہوں گی خیر اس معاملے پر تو خاک ڈالو کیونکہ تم جیسے بے حس انسان سے کچھ کہنا دیواروں سے سر پھوڑنے کے مترادف ہے بس اتنا کرو کہ اپنا میڈیکل چیک اپ کرا لو۔" اتنا کہہ کر اشفاق نے دروازے کا رُخ کیا۔ وہ دہلیز پر رک کر پھر بولا۔

اور وہ جو سخت جز بز سا ہو رہا تھا اس نے ایک زہر خند سے کہا۔

"اس مشورے کا شکریہ لیکن اب اس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ ثبوت تو میڈیکل رپورٹ سے ہی مل گیا ہے۔"

"شکر ہے، ورنہ تم سے کچھ بعید بھی نہ ہوتا اگر تم اس کا ذمے دار کسی اور کو ٹھہرا دیتے۔" اشفاق نے یہ کہہ کر گویا اس کی غیرت پر ایک تازیانہ لگایا۔ وہ ایک دم بلبلا ہی اُٹھا۔

"اپنی زبان کو لگام دو اشفاق! میں اب مزید تمہاری ان بے ہودہ باتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"برداشت نہیں کر سکتے تو نہ کرو مجھے بالکل پروا نہیں۔ میں تو آج تم سے یہ اگلوا کر رہوں گا کہ تم اپنے سینے میں وہ کون سا راز چھپائے بیٹھے ہو جس نے تمہارے ہونٹوں سے ہنسی بھی چھین لی ہے تم مسکراتے بھی ہو تو بڑی کنجوسی سے، وہ شوخی اور چونچالی بھی تم سے کہیں روٹھ گئی ہے بتاؤ میرے دوست! آخر اس کی وجہ کیا ہے کس وجہ سے تم ڈاکٹر کے سامنے اولاد کا نام سُن کر جنگلی اور اڑیل گھوڑے کی طرح ایسے بدک رہے تھے جیسے وہ کسی نئے اور پہلے سوار کو دیکھ کر بری طرح بدکتا ہے اور کسی کو اپنی کھلی پیٹھ پر بیٹھنے ہی نہیں دیتا اور تم تو اپنی سگی اور ہونے والی اولاد کو بھی اولاد ماننے سے انکار کر رہے تھے۔ بتاؤ خدارا بتاؤ میرے دوست! بتاؤ میرے بھائی۔ اچھا اتنا ہی بتا دو کہ اتنی بے زبان اور نیک نفس بھابی پر تم نے اتنا ٹارچر کیوں کیا تھا کہ تین دن تک بھوکا اور پیاسا کمرے میں بند رکھا؟"

"نہیں، میں نے اسے بھوکا پیاسا نہیں رکھا میں نے تو برکت بُوا کے ہاتھ تینوں دن اس کی چائے اور ناشتا تک بھیجا تھا مگر اس نے اپنی ضد اور اینچ میں کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔" وہ اس کی الزام تراشی برداشت نہیں کر سکا تو تلملا کر بولا۔

"مگر بھابی جیسی ٹھنڈے اور نرم مزاج کی مالک خاتون کو آخر کس بات پر اتنی ضد اور اینچ ہو گئی تھی۔ کچھ معلوم بھی ہے وہ اُمید سے ہیں۔ ایسی حالت میں اتنی زیادہ کمزوری سے ان کی اور ان کے ہونے والے بچے کی جان کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔"

"اُف پھر وہی بچے کا ذکر۔" مارے غصے کے اُس کا بُرا حال ہو گیا مگر اُس نے اپنے غصے کا اظہار نہیں کیا کہ اب بات کافی بگڑ چلی تھی اور اشفاق کو اس کے سوالوں کا جواب دینا ضروری ہو گیا تھا وہ تھوڑے سے توقف کے بعد بولا۔

"میں نے خود سے عہد کیا تھا، قسم کھائی تھی کہ اوّل تو شادی نہیں کروں گا اگر بالفرض محال کی بھی تو کبھی اولاد پیدا نہیں کروں گا خواہ میری بیوی ساتھ نبھائے یا مجھے چھوڑ کر چلی جائے۔"

"مگر کیوں، کس وجہ سے آخر تم نے اتنا بڑا فیصلہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

عہد کیوں کیا تھا، ایسی فالتو قسم کیوں کھائی تھی؟"
اشفاق نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ آج وہ سب کچھ اگلوا کر رہے گا۔ تب کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بڑے اُداس لہجے میں بولا۔
"تم تو میری زندگی کے سب سے بڑے المیے سے واقف ہی ہو پھر ہر بات کا سبب کیوں پوچھتے ہو؟"
"اوہ ہاں! میں تمہارے اس المیے سے اچھی طرح واقف ہوں مگر اس معاملے سے بھلا اس مسئلے کا کیا تعلق؟" اشفاق بولا۔
"کمال ہے اس مسئلے نے تو میری پوری زندگی پر بنا رکھی ہے میری ساری زندگی پر محیط ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔" وہ تنک کر بولا۔
"افوہ! بھئی میرا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو میں تو یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ان سب باتوں سے بھلا اولاد کا کیا تعلق جو تمہاری سخت نفرت کے باوجود نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ تم کو دے رہا ہے۔ سُنو میرے پیارے دوست یہ تو تمہاری بے معنی اور فضول بلکہ پراگندہ خیالات کا قدرت کی طرف سے ایک منہ توڑ جواب ہے کہ جس سے تم منہ موڑ سکتے ہو نہ مفر حاصل کر سکتے ہو لہٰذا تم اب اس حقیقت کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لو اور خدارا جا کر بھابی کی خبر لو۔ وہ واقعی بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ ان کی دلجوئی کرو اور انہیں خوب کھلاؤ پلاؤ۔ ماضی کو بھول جاؤ۔ حال سنوارو اور مستقبل کو تابناک بناؤ۔ ماضی کو بھول جاؤ میرے دوست۔ ماضی انسان کو اندر سے کھوکھلا کرنے کے سوا انسان کو کچھ نہیں دیتا۔ تبھی تو کہتے ہیں کہ یادِ ماضی عذاب ہے یارب! چھین لے مجھ سے حافظہ میرا۔ اچھا چلتا ہوں کل آؤں گا تو اس توقع کے ساتھ کہ تم بالکل نارمل حالت میں بھابی کے ہاتھ پیر دباتے ملو گے۔ اوکے؟"
اتنا کہہ کر اشفاق نے اس کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔
اور وہ اس کے آخری الفاظ پر غور کرتا رہ گیا۔

"ہونہہ! کیسے بھلا دوں۔ میری یادداشت کی سطح پر تو جیسے ثبت ہو کر رہ گیا ہے میرا ماضی۔

"موٹی... موٹی... موٹی ڈبل روٹی۔"
"نہیں میں موٹی ڈبل روٹی نہیں ہوں۔ میں مینا ہوں مینا۔"
"ہا ہا وہی پھدکتی ہوئی مینا جو ڈر کر پھر پھر کر کے دوڑتی ہے۔"
"نہیں بنگالے کی مینا، اور پتا ہے دادی جان مجھے یہی کہتی ہیں۔"
"ہونہہ بڑی کہتی ہیں، بنگالے کی مینا تو کالی اور گنجی ہوتی ہے۔"
"نہیں، مگر دادی جان تو کہتی ہیں میری موٹی تو بنگالے کی مینا ہے جو اتنی پیاری پیاری باتیں کرتی ہے۔"
"اچھا اگر تم مینا ہو تو میں طوطا ہوں طوطا اور طوطا بھی خوب باتیں کرتا ہے۔ وہ تو ہر وقت میاں مٹھو میاں مٹھو کہتا رہتا ہے۔"
"چلو چلو، طوطا تو ہر وقت میں میں کرتا ہے اتنی لمبی اور ٹیڑھی چونچ ہوتی ہے اس کی اور کٹ کٹا الگ ہوتا ہے۔"
"ہاں اور وہ جھپٹا مار کر کاٹتا ہے۔ پوں... پوں پوں۔" وہ موٹی کے سر پر انگلیوں سے ٹھونگیں مارنے لگا۔ پانچ سالہ موٹی زور سے چلائی
"امی... امی... دیکھیے، بھائی مجھے مار رہے ہیں۔"
"اوہو بھئی کیا مصیبت ہے موٹی تم اتنا کیوں چلا رہی ہو؟" ماں نے اپنے بیڈ روم سے چیخ کر پوچھا
"امی! یہ بھائی میرے سر پر ٹھونگیں مار رہے ہیں۔"
تبھی ماں نے اندر سے وارد ہو کر عذیر کو ڈانٹا
"یہ کیا بدتمیزی ہے عزی تم اب بہن کو مارنے بھی لگے۔"
"نہیں امی۔" موٹی نے کہا۔
"دادی جان اسے بنگالے کی مینا کہتی ہیں تو میں نے بھی کہا میں طوطا ہوں طوطا، میں بھی خوب باتیں کرتا ہوں تو اس نے کہا طوطا تو میں میں کرتا ہے اتنی لمبی چونچ ہوتی ہے اور اُلو جیسی گول گول

آنکھیں۔"
"ہیں، میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ آنکھیں..."
اس نے کہنا چاہا مگر ماں کی آواز میں اس کی بات دب گئی۔
"اچھا تو اس بات پر تم نے اپنی ننھی سی بہن کے ٹھونگیں مارنی شروع کر دیں۔"
"امی! میں تو سچی میں مذاق کر رہا تھا۔" عذیر بولا۔
"لو بھلا یہ بھی کوئی مذاق ہوتا ہے۔ چھوٹی بہن کو ستانا اور چھیڑنا۔"
"امی! یہ بھائی جھوٹ بول رہے ہیں۔ انہوں نے مذاق میں نہیں غصے سے میرے سر پر اتنی زور سے ٹھونگیں ماری ہیں کہ میرا سر دُکھ رہا ہے۔"
وہ روہانسی ہو کر بولی۔
"ہاں ہاں جیسے بڑی ہی تو نازک ہو۔"
"امی! یہ بھائی ہمیشہ مجھے ستاتے ہیں۔ میرے ہوم ورک کی کاپی میں سارے ہوم ورک پر اتنے سارے گول گول انڈے بنا دیتے ہیں۔"
"سچ ہے تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا موٹی؟"
انہوں نے سوری جو کہہ دیا تھا اور اوپر سے سارے زیرو مٹا دیے تھے۔ پھر ابو انہیں ڈانٹتے تو مجھے رونا آ جاتا۔"
"دیکھا عزی! تمہاری چھوٹی بہن کتنا نرم دل رکھتی ہے ورنہ اگر یہ نہ چھپاتی تو تمہاری اچھی طرح خبر لی جاتی۔ خیر آئندہ میں نہ سنوں کہ تم نے اسے ستایا ہے ورنہ میں تم سے بالکل بات نہیں کروں گی۔" سعیدہ ہمیشہ ان دونوں بچوں کا جھگڑا اچھے انداز میں نمٹاتی تھیں۔
وہ اپنی خفگی کا اظہار عذیر سے بات چیت بند کر کے ہی کرتی تھیں اور عذیر کو یوں لگتا تھا کہ ماں شاید عمر بھر کے لیے روٹھ گئی ہیں۔ وہ ماں کی خوب خوشامد کرتا، معذرت کرتا۔ جب کہیں جا کر ان کی ناراضگی دور ہوتی تھی۔
کچھ دن وہ موٹی سے ٹھیک ٹھاک رہتا پھر کسی نہ کسی بہانے اسے چھیڑتا اور ستاتا تھا۔ دوسرے معنوں میں اُسے ستانے اور رُلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ حد تو یہ تھی کہ موٹی کو کبھی تیار ہو کر باہر آنے میں دیر ہو جاتی تو وہ اسکول کی وین والے سے کہہ دیتا کہ آج موٹی اسکول نہیں جائے گی اور ادھر ماں یہ سمجھتیں کہ موٹی نے تیار ہونے میں دیر لگائی تھی اس لیے وین نکل گئی لہٰذا وہ اس بات پر موٹی کو ہی ڈانٹتیں۔
ان دنوں موٹی کے ٹیسٹ ہو رہے تھے عذیر نے شرارت میں پھر وہی حرکت کی کہ وین والے سے یہ کہہ کر چلتا کر دیا کہ موٹی کو سخت بخار ہے اس لیے وہ آج اسکول نہیں جائے گی اور ادھر موٹی تھی کہ پریشان ہو ہو کر کہہ رہی تھی کہ آج تو میرا انگلش کا ٹیسٹ تھا اب میں کیسے اسکول جاؤں گی آخر اس کے ابو نے آفس کے لیے جلد تیار ہو کر اسے اسکول چھوڑا۔ اتفاق سے وین والا گیٹ پر موجود تھا۔ وہ اس پر برس پڑے۔
"رسول بخش تم کچھ دیر انتظار نہیں کر سکتے، جو ذرا سی دیر ہو جانے پر بی بی کو چھوڑ آتے ہو۔ آج اس کا ٹیسٹ تھا اس لیے بھاگم بھاگ مجھے اسے ڈراپ کرنا پڑا۔ میں نے تمہیں اس لیے تو نہیں رکھا کہ تم گیٹ سے ہاتھ ہلاتے ہوئے نکل جاؤ۔ اگر نہیں تو صاف صاف کہہ دو کہ میں کسی اور وین والے کا بندوبست کر لوں۔"
"اجی صاحب جی آپ میری بھی تو سُنیے۔ میں تو روزگاڑی کو گیٹ پر روک کر بی بی کا انتظار کرتا ہوں مگر عزی میاں جب باہر آ کر کہہ دیتے ہیں کہ آج بی بی نہیں جائے گی تو میں وہاں سے چل دیتا ہوں آج بھی انہوں نے کہا کہ بی بی کو سخت بخار ہے اس لیے میں چلا آیا۔"
"اوہ! تو یہ بات ہے۔" عمیر نے رسول بخش کی وضاحت پہ دل میں سوچا۔
"یہ عزی کا بچہ شرارت میں وین والے کو چلتا کر دیتا ہے مگر قائل ہونے کے باوجود اس سے بولے۔
"خیر خیر تم اتنی جلدی نہ کیا کرو کوئی گولی کی طرح اُڑ کر سیدھی تمہاری وین میں تو آ کر نہیں لگے گی تھوڑی بہت دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔"
اور عمیر کے جواب پر رسول بخش سر جھٹک کر رہ گیا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اس روز آفس سے واپس آتے ہی انہوں نے عذیر کا کان مروڑ کر اُسے بہت ڈانٹا اور دیوار کی طرف منہ کرا کے اُسے شام تک کھڑا رکھا۔ وہ اس کے لیے ایک سخت گیر باپ سے کم نہ تھے، جبکہ سعیدہ، شوہر اور ساس سے اس کی بہت سی شرارتیں چھپا لیتی تھیں کہ منیرہ عرف مونی باپ اور دادی کی چہیتی تھی۔

اصل میں عمیر کے دو بھائی اور تھے۔ سب سے بڑے شعیب جو دبئی میں ڈاکٹر تھے اور عمیر سے چھوٹے زوہیب جو اعلا تعلیم کے لیے امریکا گئے تھے مگر تعلیم مکمل کر کے انہوں نے ایک امریکی لڑکی سے شادی کر لی تھی اور وہیں رچ بس گئے تھے۔ ان کے بھی دو لڑکے تھے اور زوہیب کی بھی تینوں نرینہ اولادیں ہی تھیں۔

ان کے خاندان میں لڑکیوں کی بڑی کمی تھی، جبکہ دادا، دادی کو پوتی کی بڑی آرزو تھی اور مونی نے ایک عرصے بعد اپنے وجود سے یہ آرزو پوری کی تھی۔ مونی کے بڑے لاڈ ہوتے تھے۔ عمیر بھی مونی کو ہی زیادہ چاہتے تھے اور اسی بات سے وہ چڑتا تھا اور اسے خوب ستاتا تھا۔

ایک مرتبہ ششماہی امتحان میں اچھے نمبر لانے پر اس کے ابو نے مونی کو ایک بڑی ہی خوبصورت گڑیا لا کر دی۔ ماں نے سونے کی بالیاں اور دادی نے طلائی زنجیر۔ وہ اس سے دو سال بڑا تھا۔ آٹھ سال کا تھا اور وہ چھ سال کی۔ وہ دوسری جماعت میں پڑھتی تھی اور عذیر چوتھی جماعت میں۔ وہ بھی بہت ذہین مانا جاتا تھا۔ اُسے بھی تحائف سے نوازا جاتا تھا مگر اسے تو زیادہ تر ماں ہی تحفے تحائف دیتی تھیں۔ باپ تو بس شاباش دے کر سر پر ہاتھ پھیر دیتے یا پیٹھ تھپتھپا دیتے تھے اور دادی زیادہ سے زیادہ دس روپے کا نوٹ ہاتھ میں پکڑا دیتی تھیں اس بات پر بھی وہ بہت خار کھاتا تھا۔ اصل میں تو خود والدین اور گھر کے بزرگ ہی بچوں کے درمیان یہ تفرقہ ڈالتے ہیں کہ ایک کو اپنی ساری توجہ اور محبت کا مرکز بنا لیتے ہیں اور دوسرے کے ساتھ ناپسندیدگی اور بے توجہی برتتے ہیں۔ یہی رویہ بچوں کے معصوم دلوں میں کشیدگی اور نفرت پیدا کرتا ہے۔ وہ بھی بس اسی وجہ سے اپنی پیاری اور معصوم سی بہن سے خار کھانے لگا تھا۔

مونی اپنی گڑیا گود میں اُٹھائے دادی کے بُلانے پر بھاگتی ہوئی ان کے پاس جا رہی تھی کہ عذیر نے بیچ میں اپنا پیر اڑا دیا اور مونی جھونک کھا کر منہ کے بل زمین پر جا گری۔ سائڈ میں رکھی تپائی کا کونا اس کی پیشانی سے ٹکرایا اور کھال پھٹ کر ٹپ ٹپ خون بہنے لگا۔ دادی اتفاق سے اس وقت اسی طرف آ رہی تھیں انہوں نے مونی کو گرتے ہوئے تو دیکھ لیا تھا مگر گرنے کے اسباب سے وہ قطعی لاعلم تھیں دادی کو دیکھ کر عذیر کی جان ہی نکل گئی۔ اُس نے اُٹھ کر وہاں سے بھاگ جانا چاہا، مگر مونی نے جو دادی کے اٹھانے پر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اور چوٹ لگنے سے زیادہ اپنا خون بہتا دیکھ کر اس نے چیخ چیخ کر رونے ہوئے کہا۔

"دادی جان! بھائی نے مجھے گرایا ہے، بھائی نے مجھے گرایا ہے۔"

"ہا، کتنی جھوٹی ہو تم مونی، میں نے تو تمہیں نہیں گرایا۔ سچ دادی جان" وہ جاتے جاتے رُک کر بولا۔

"نہیں، تم نے مجھے گرایا ہے بھائی۔ میں تو بھاگ کر دادی جان کے پاس جا رہی تھی۔ تم نے بیچ میں اپنا پیر اڑایا تھا۔"

وہ روتے ہوئے بولی

دادی جو اپنے دوپٹے سے اس کا خون جذب کر رہی تھیں سینے پر ہاتھ مار کر بولیں۔

"ہے ہے تم نے اس معصوم کو پیر اڑا کر گرایا ہے عزیٰ! تم تو دشمن ہو اس کے۔ اصل میں بہو کے بے جا لاڈ پیار نے تمہیں بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔"

دادی دانستہ اونچی آواز میں بولیں

سعیدہ نے کمرے کے باہر ان کے اونچا اونچا بولنے کی آواز سُنی تو گھبرا کر باہر نکلیں اور بیٹی کی پیشانی سے خون بہتا اور اسے روتا دیکھ کر لپک کر اس کے پاس آئیں۔ ماں کو دیکھ کر وہ ایک دم بلک سی پڑی۔ ماں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"اُف! یہ کیا ہو گیا میری گڑیا کو، کیسے نکلا یہ خون؟"

"اے کیسے نکلتا بہو، تمہارے اس چہیتے عزیٰ نے منگڑی دے کر غریب کو گرایا ہے۔ اے میں نے تو کسی بھائی کو بہن سے اتنا جلتے ہوئے نہیں دیکھا وہ بھی چھوٹی بہن سے، ورنہ بھائی تو بہنوں کے لیے جان تک دے دیتے ہیں۔" دادی نے جلے کٹے انداز میں عزیٰ کی شکایت کی۔

مگر سعیدہ نے ان کی بات یا شکایت پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس سمے ان کی تمام تر توجہ مونی کی طرف تھی جس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بُری طرح رو رہی تھی۔

وہ اس کا خون روکنے کی کوشش کر رہی تھیں پھر ملازم سے ٹیکسی منگوا کر وہ گھر کے سادہ کپڑوں میں بیٹی کو لے کر ملازم کے ساتھ اپنے فیملی ڈاکٹر کے کلینک چلی گئیں اور ساس اس بات پر پیچ و تاب کھاتی رہ گئیں کہ انہوں نے بیٹے کو ڈانٹا ڈپٹا، نہ باز پرس ہی کی۔

لیکن جب مرہم پٹی کرا کے سعیدہ کلینک سے لوٹیں تو سب سے پہلے عزیٰ کو ہی ٹھونک بجا ڈالا۔

"بولو! یہ اتنی بے ہودہ حرکت تم نے کیوں کی اپنا پیر بیچ میں اڑا کر بہن کو کیوں گرایا، تم کیوں اس کے اتنے خلاف ہو، کیا بگاڑا ہے اس معصوم نے تمہارا، بدتمیز حاسد لڑکے۔"

پہلے تو انہوں نے بُری طرح عزیٰ کا کان مروڑا اور جب وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے خاموش کھڑا رہا تو انہوں نے اس کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ تب بھی وہ خاموش ہی رہا تو انہیں اس کے گھنے پن پر اور بھی غصہ آیا۔

"کیوں اب کرے گا ایسی حرکت بتا بدذات کہیں کے، کرے گا ایسی حرکت" انہوں نے غصے اور کھسیاہٹ میں اسے بُری طرح پیٹنا شروع کیا کہ مونی برداشت نہ کر سکی۔ ماں کے ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"امی... امی! بھائی کو اتنا تو نہ مارئیے۔ انہوں نے بیچ میں پیر نہیں اڑایا تھا۔ میں نے جھوٹ بولا تھا امی۔"

دادی بھی سامنے ہی موجود تھیں اور خاموش کھڑی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ نزدیک آ کر عزیٰ کو بھوکی گرفت سے چھڑاتے ہوئے بولیں۔

"اب بس بھی کرو بہو! بے چارا تو پہلے ہی اپنے کیے پر نادم ہے جبھی تو منہ سے چُپ ہے توبہ توبہ تم نے تو اسے مار مار کے ادھ موا کر دیا اور جب مونی خود کہہ رہی ہے کہ..."

مگر اس کی امی نے غصے میں ان کا پورا فقرہ بھی نہ سُنا، سخت طیش کے عالم میں بولیں۔

"نہیں، یہ مونی محض اسے مار سے بچانے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے امّاں جان! میں تو آج مارما کر اس کا بھرکس نکال دوں گی کیونکہ آج تو اس نے صرف پیر اڑایا ہے کل اسے اوپر سے دھکا دے دے گا۔ ارے بھائی تو بہنوں پر جان دیتے ہیں ان کی خاطر سو تکلیفیں اُٹھاتے ہیں اور بہنوں پر نثار ہو جاتے ہیں مگر تو تو اس کی جان کا دشمن ہی بن گیا ہے۔" انہوں نے مسلسل اس پر تھپڑوں کی بارش کر رکھی تھی۔ آخر دادی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"نہیں نہیں آئندہ یہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا چلو اب اسے معاف کر دو بہو اور ہاں عمیر سے اس کی اس شرارت کا ذکر نہ کرنا ورنہ وہ تو حشر نشر ہی کر کے رکھ دے گا۔"

آخر ساس نے وہ بات کہہ دی جس کے خوف سے انہوں نے بیٹے کو دُھن کر رکھ دیا تھا۔ ان کا ہاتھ خود ہی ڈھیلا پڑ گیا۔

دل ہی دل میں انہوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ عمیر تو اسے بالکل نہ بخشتے۔ اس واقعے کے بعد سے عزیٰ ڈرا ڈرا سا رہنے لگا تھا مگر مونی کو گرانے کے نتیجے میں اُس نے جو مار کھائی تھی۔ اس مار یا سزا نے مونی کی طرف سے اس کے دل میں ایک گرہ سی ڈال دی تھی۔ کیونکہ ماں نے چھڑی تو کجا کبھی انگلی بھی نہیں چھوائی تھی البتہ دادی کی طرف سے جوان کے رویے، ہاتھوں اور روک ٹوک سے اس کے دل میں کدورت بھری تھی۔ وہ دادی کے یہ کہنے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پر کہ عمیر کو ہرگز نہ بتانا وہ تو نہ معلوم اس کا کیا خشر کریں گے اس کے دل سے دور ہوگئی تھی۔

پھر وقت کچھ اتنی تیزی سے گزرا کہ دونوں بہن بھائی بچپن کی حدود پھلانگ کر لڑکپن میں داخل ہوگئے۔ وہ گیارہ سال کا ہوگیا اور مونی نو سال کی۔ اسی دوران میں عزی کی چھوٹی موٹی شرارتیں تو برقرار رہیں وہ بھی اب بہت سنبھل گیا تھا۔ ماں اور دادی اسے بہن کا خیال رکھنے کی تلقین کرتی رہتی تھیں اور بہن تو اسے سدا سے ہی چاہتی تھی۔

بہن اب پانچویں کلاس میں آگئی تھی اور وہ خود آٹھویں میں۔ اور ابھی امتحانوں سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ان کو ایک نئی افتاد نے آگھیرا۔ ان کے ابو اور امی کے درمیان کچھ عرصے سے جاری ناچاقی اتنی سنجیدگی اختیار کرگئی کہ نوبت طلاق تک جا پہنچی۔

والدین کی خوابگاہ کی باتیں بچوں کے علم میں کم ہی آتی ہیں اس تنازعہ میں جہاں تک عزی کی معلومات کو دخل تھا تو صرف اتنا کہ ابو کچھ عرصے سے رات رات بھر گھر سے غائب رہتے تھے۔ اور امی اور بچوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ امی اور بچوں کے لیے کچھ لاتے ہیں نہ امی کو خرچہ ہی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کوئی ایسی بات تھی کہ امی اپنے کمرے میں بند روتی رہتی تھیں۔ ابو جب بھی گھر میں آتے اس کی امی کو ڈانٹتے اور ان سے جھگڑا کرتے انجام کار ایک دن ابو نے غصے میں آکر اس کی امی کو طلاق دے دی۔

طلاق کے وقت مونی دس سال کی تھی اور عزی بارہ سال کا۔ وہ گھر کے سیدھے سادے اور پرانی روایات کے پابند ماحول میں پلے بڑھے تھے۔ جہاں ادب و آداب کا بھی بہت خیال رکھا جاتا تھا اس لیے یہ دونوں آجکل کے دوسرے بچوں کی طرح تیز و طرار نہیں تھے۔ چالاکی تو دونوں میں نام کی نہیں تھی۔ اور مونی تو بالکل بے وقوف تھی۔ یوں بھی ماں اور باپ کے درمیان جو بھی جھگڑے ہوتے تھے وہ ان کی خوابگاہ میں ہی ہوتے تھے وہ بھی اس وقت جب دونوں بچے اپنے اپنے کمروں میں سو جاتے تھے۔ کیونکہ ابو رات کو آتے ہی دیر سے تھے۔ وہ بھی تیسرے چوتھے روز۔

البتہ عزی نے دادی کو یہ کہتے ضرور سنا تھا۔

"میں نے تو لاکھ بہو کو سمجھایا کہ تم اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔ طلاق کا مطالبہ کرکے اس پر تو آجکل چڑھی ہوئی ہے۔ وہ تو کھڑے کھڑے فارغ خطی نامہ لکھ دے گا۔ مگر زندگی تمہاری اپنی اور بچوں کی خراب ہوجائے گی ہمارے مرد دو تو کیا چار چار شادیاں کر لیتے ہیں پھر بھی عورت بچوں کی خاطر آخری دم تک نبھا دیتی ہے۔ کیونکہ علیحدگی کے بعد بچے بے چارے آدھے کے رہتے ہیں نہ ادھر کے۔ بری طرح محرومیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ پھول سے چہروں پر خزاں رسیدہ موسم کی گہری چھاپ ثبت سی ہوکر رہ جاتی ہے۔ ماں کے پاس رہیں تو احساس کمتری اور بے مائیگی کا شکار اور باپ کے پاس رہیں تو اس کی غفلت اور بدسلوکی کا شکار۔ اس طرح اپنی ذات پر سے بھی اعتماد اٹھ جاتا ہے۔"

دادی اس کی امی کو سنانے کو شروع شروع میں اس کی پھوپھی سے کہا کرتی تھیں۔ مگر یہ باتیں اس کی سمجھ میں آتیں نہ وہ ان پر غور ہی کرتا تھا۔

بہرحال ماں اور باپ دونوں کی باہمی رضامندی سے ایک دن طلاق کا مسئلہ حل ہو ہی گیا۔ طلاق کے بعد اس کی امی اس کے نانا کے پاس سیالکوٹ چلی گئیں اور وہ اور مونی ابو کے پاس ہی رہ گئے۔ کیونکہ ابھی تک یہ طے نہیں پایا تھا کہ دونوں بچے کس کے پاس رہیں گے، اصل میں اس کی امی تو یہی چاہتی تھیں کہ دونوں بچوں کو ان کی تحویل میں دے دیا جائے۔ مگر عمیر بچوں کو خود سے جدا کرنے کے حق میں نہ تھے دادی بھی یہی چاہتی تھیں کہ بچے یہاں ہی رہیں۔

کئی ماہ گزر گئے تھے مگر سعیدہ نے بچوں کے سلسلے میں کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تھی، البتہ بچوں کو حاصل کرنے کے سلسلے میں سعیدہ نے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

عمیر کے قریبی دوستوں کو بڑے دردبھرے خطوط لکھے تھے۔ اور سعیدہ کی آہ و بکا سے متاثر ہو کر عمیر کے دوستوں نے انہیں مجبور کیا تھا کہ دونوں بچوں کو ماں کی تحویل میں دے دیں۔ مگر عمیر کسی طور پر اپنے بچوں کو خود سے جدا کرنے کے لیے تیار ہی نہ ہوتے تھے۔

یہ باتیں سن کر دونوں بچے ایک مخمصے میں پڑ گئے تھے۔ وہ دادی سے بار بار پوچھتے۔

"دادی جان! کیا اب ہم یہیں رہیں گے؟" اور دادی کا دل کٹ کر رہ جاتا جواب میں دلاسا دیتیں۔

"ہاں میرے بچو فی الحال تو یہیں میرے پاس ہی رہو گے۔"

"اچھا تو کیا اب امی کبھی یہاں نہیں آئیں گی؟" عذیر نے پوچھا جو ماں سے حد درجے مانوس تھا۔

"نہیں، وہ اب یہاں کیسے آسکتی ہیں۔" دادی نے کہا۔

"مگر دادی جان اچھی دادی جان میری امی کو یہیں بلا لیجیے۔ میں ان کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔" مونی نے کہا۔

"جی دادی جان! آپ کی بات تو ابو فوراً مان لیتے ہیں۔" عذیر بھی بہن کی تائید میں بولا۔

"بیٹا یہ بات ماننے اور نہ ماننے کا معاملہ نہیں ہے۔ طلاق کے بعد عورت کا مرد سے ہر رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اس لیے تمہاری امی تمہارے ابو کے ساتھ رہ ہی نہیں سکتیں۔" دادی نے کہا۔

"تو پھر آپ ایسا کیجیے کہ امی کو بلا کر اپنے کمرے میں رکھ لیجیے۔" عذیر نے ساری بات سن کر کہا۔

"ہاں پھر وہ ابو کے سامنے نہیں آئیں گی۔" مونی نے معصومیت بھرا مشورہ دیا۔

"نہیں میری گڑیا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ ہمارا تمہاری ماں سے ہر رشتہ ٹوٹ چکا ہے تو پھر میں انہیں کیسے اپنے پاس رکھ سکتی ہوں اور پھر میرے بچو، تمہاری ماں خود بھی یہاں نہیں آئیں گی۔"

"اچھا تو پھر ہم دونوں ان کے پاس چلے جائیں گے۔" مونی نے کہا۔

"یہ بھی ممکن نہیں۔" دادی بولیں۔

"ہائے تو کیا ہم اب امی کے بغیر یہاں رہیں گے۔" مونی کی جھیل ایسی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

"اب یہ تو خدا ہی جانے کہ کیا فیصلہ ہوگا مگر تم باپ کے پاس ہی رہو گے جو دن رات محنت کر کے تمہارے لیے پیسہ کماتا ہے جس کے دم سے اس گھر کو چار چاند لگے ہوئے ہیں۔" دادی ان کے سوالات سے عاجز سی ہو کر بولیں۔

"مگر دادی جان! امی بھی تو..." مونی نے کچھ کہنا چاہا مگر دادی اس کی بات کاٹ کر نہایت بیزاری سے بولیں۔

"اے بچی زیادہ سوال نہ کرو۔ اب یہ تو خدا ہی جانے کہ تمہارے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا۔ تم ننھے ننھے دماغوں پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ اے عزی تم بڑے ہو تم ہی سمجھاؤ نا اسے۔" مگر جب عزی کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تو بھلا وہ بہن کو کیسے سمجھا پاتا۔

اصل حقیقت تو اس پر رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کھل کر سامنے آتی گئی۔

ماں نے بوقتِ رخصت دونوں بچوں کو بڑوں کا کہا ماننے، تمیز سے رہنے، آپس میں ایک دوسرے کا خیال رکھنے، پابندی سے اسکول جانے اور دل لگا کر پڑھنے اور خود کو صاف ستھرا رکھنے کی نصیحت کے ساتھ ساتھ عزی کو بڑائی کا احساس دلا کر خاص طور پر اس بات کی تاکید کی تھی کہ وہ بہن سے لڑے جھگڑے نہیں۔ نہ اسے ستائے۔ بلکہ ہر بات میں اس کا خیال رکھے، اس کی دلجوئی کرے۔ وہ مجھے یاد کر کے روئے تو اس کے ساتھ خود نہ رونے بیٹھ جائے۔ بلکہ اسے پیار سے چپ کرائے۔ دادی کا کہنا مانے۔ خواہ وہ غصہ کریں، ڈانٹیں ڈپٹیں، نصیحت کریں، خاموشی اور فرمانبرداری سے سب کچھ سہہ لے۔

اس روز ماں سے جدا ہوتے وقت زندگی میں پہلی بار ماں سے جدائی کے خیال سے وہ بلک بلک کر رو دیا تھا۔ اور مونی کی حالت تو روتے روتے غیر ہونے لگی تھی۔ حد تو یہ تھی کہ دادی کی آنکھوں سے بھی آنسو کا تار بندھ گیا تھا۔ ماں نے کتنی مشکل اور برداشت سے یہ غم سہا تھا اور وہ زخموں سے چور اور غموں سے نڈھال سینہ لے کر اس گھر کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ گئی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد ان بچوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ ماں کسی بھی لمحے اچانک کمرے سے نکل کر باہر آجائیں گی اور ہنس کر کہیں گی کہ "میں تم سے مذاق کر رہی تھی، تمہیں آزما رہی تھی۔ ورنہ میں تمہیں چھوڑ کر بھلا کہاں جا سکتی ہوں۔" مگر یہ تو شروع شروع کی بات تھی بعد میں تو ماں کا چلا جانا ایک اٹل حقیقت ہی ثابت ہوا تھا۔

ماں کے جانے کے بعد تو باپ نے بھی گھر کا رخ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ آتے بھی تو کئی کئی دن بعد وہ بھی کھڑے کھڑے۔ اس بات پر دادی جل کر کہتیں۔

"تمہارا باپ تو اس کلموہی کی وجہ سے مجھے بھی بھول گیا۔ آتا بھی ہے تو بس رسیاں تڑاتا۔ کھڑے کھڑے ہی آتا ہے وہ بھی اپنے بچوں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں الجھا ہوا۔"

اب بچوں کو کیا معلوم تھا کہ ان کا باپ ان کی تقسیم کے معاملے میں اب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہے۔ کہ وہ اپنے دونوں بچوں کو اپنے دم کے ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا مگر عمیر کی نو بیاہتا چہیتی بیوی جو ایک مشہور ماڈل گرل تھی اور جس سے دو سال تک ان کا افیئر چلا تھا کسی طور پر بھی دو پلے پلائے سوتیلے بچوں کو ساتھ رکھنے کی روادار نہیں تھی۔ جب عمیر نے اس سے اپنا مسئلہ بیان کیا تو بپھرے تو وہ ان کا دل رکھنے کی غرض سے بولی۔

"آپ آخر اتنے پریشان کیوں ہیں اس معاملے میں۔ صاف اور واضح بات ہے کہ یہ دونوں آپ کے بچے ہیں۔ آپ خواہ مخواہ میں کیوں ان کا بٹوارہ کریں۔ اتنے پیارے بچے ہیں۔ انہیں تو آپ کے پاس ہی رہنا چاہیے۔ میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ انہیں اپنے سینے سے لگا کر رکھوں۔ ان کے خوب ناز اٹھاؤں نخرے سہوں کہ بے چارے اتنی چھوٹی عمروں میں ماں سے بچھڑ گئے ہیں۔ سچ جب ان کے بارے میں سوچتی ہوں میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔"

"ہاں ڈارلنگ تمہارا شکریہ کہ تم ان کے لیے اتنا درد رکھتی ہو اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ میرے دونوں بچے میرے پاس ہی رہیں مگر ان کی ماں نے میرے دوستوں کے ذریعے ان کی واپسی کے تقاضے کرا کرا کر میری جان عذاب کر رکھی ہے۔ اور اس نے تو قانونی چارہ جوئی کرنے کی بھی دھمکی دے دی ہے۔" عمیر اس کی مکارانہ باتوں

جنہوں نے استعمال کیا وہ جانتے ہیں

سوہنی ہیئر آئل کی خوبیاں

- گرتے بالوں کو روکتا ہے
- بال لمبے اور گھنے کرتا ہے
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے

سوہنی ہیئر آئل

قیمت/60 روپے

کیا آپ نے اسے استعمال کیا؟ نہیں
تو ایک دفعہ استعمال کر کے دیکھیں

[redacted]

ملنے کا پتہ
۳۷، اردو بازار کراچی

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

سے متاثر ہو کر بولے۔

"ہائے یہ تو بہت بُرا ہوگا۔ خوامخواہ ہی کچہری عدالتوں میں آپ کا نام اُچھلے گا۔ کیا آپ اس کا اور کوئی حل تلاش نہیں کر سکتے؟" چالاک جوہی نے ہراساں ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں اس کا کوئی دوسرا حل موجود ہی نہیں۔ کیونکہ سعیدہ کسی شرط پر نہیں مانے گی۔ وہ بڑی ضدی عورت ہے اور یہ اس کے بچوں کا معاملہ ہے۔" عمیر اپنی فطری سادگی سے بولے۔

"تو پھر تو آپ کو مجبور ہو کر دل پہ پتھر رکھنا پڑے گا۔ ایسا کریں ایک کو ماں کے پاس بھیج دیں اور ایک کو اپنے پاس رکھ لیں۔" اس نے متفکر سی ہو کر مشورہ دیا۔

"ہاں، وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ گو یہ میرے لیے بڑا صبر آزما کام ہوگا۔"

"ہاں وہ تو ہے ہی۔ مگر میری مانیں تو مونی کو ماں کے پاس بھیج دیں۔" اور اس مشورے پر عمیر بگڑ ہی اُٹھے کہ مونی پر تو وہ جان چھڑکتے تھے۔

"میں نے آپ سے مشورہ دینے کو نہیں کہا۔ یہ میرے بچوں کا معاملہ ہے، میں خود جیسا مناسب سمجھوں گا ویسا ہی کروں گا۔" انہوں نے کہا۔

"اوہو! آپ تو بُرا مان گئے ورنہ میں نے تو آپ کی پریشانی دور کرنے کی غرض سے ایک بات کہی تھی۔" عمیر خاموش ہی رہے۔ اور جوہی جو بہت پہلے سوچے بیٹھی تھی کہ کسی طرح مونی کو ماں کے پاس چلتا کر دینا چاہیے کیونکہ عمیر اسے بہت چاہتے ہیں اور اس کے بڑے ناز نخرے اٹھاتے ہیں۔ اس طرح تو میری کچھ قدر ہی نہیں رہے گی۔ وہ بیٹی کی ہمدردی اور محبت میں اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کر دیں گے۔ اس کے ذہن میں معاً ایک ترکیب آئی۔

"ارے ہاں میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے عمیر! آپ اگر بُرا نہ مانیں تو بتا دوں۔"

"ہاں ضرور بتاؤ، بھلا ترکیب بتانے میں کیا حرج ہے۔" عمیر جو اسی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے تھے کہ بچوں کے معاملے کو کس طرح حل کریں یونہی بے خیالی میں بولے۔

"آپ ایسا کریں کہ دونوں بچوں سے علیحدہ علیحدہ معلوم کریں کہ وہ کس کے ساتھ رہنا پسند کریں گے۔ اس طرح آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ کیوں کیا خیال ہے آپ کا؟"

"ہاں ترکیب تو اچھی سوجھی ہے آپ کو ذاتی دونوں بچوں سے ۔۔۔ علیحدہ علیحدہ پوچھ لینا چاہیے لیکن میں شرطیہ کہتا ہوں کہ میری مونی میرے پاس رہنے کو ہی ترجیح دے گی کیونکہ وہ شروع ہی سے مجھ سے اٹیچڈ ہے۔" عمیر نے کہا اور اسی وقت ملازم کو بھیج کر مونی کو بلوا لیا۔ جوہی نے بڑی محبت سے اسے اپنے پاس بٹھا کر پوچھا۔

"مونی بیٹا! تم کیا کر رہی تھیں؟"

"میں اسٹوری بک پڑھ رہی تھی۔" مونی نے کچھ جھجکتے ہوئے بتایا۔

"کیوں کیا تمہیں ہوم ورک نہیں ملتا؟"

"ملتا ہے۔" مونی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تو تمہیں ہوم ورک کون کراتا ہے؟"

"امی۔"

"مگر امی تو چلی گئی ہیں۔ پھر کیسے ہوم ورک کرتی ہو؟"

"نہیں کرتی۔"

"افوہ تو پھر تم کیا کرتی ہو۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"تو کیا ہوم ورک نہ کرنے پر اسکول میں تمہیں ڈانٹ پڑتی ہے۔"

جواب میں اس نے سر جھکا لیا۔

"چچ چچ پور گرل، تم اپنے بھائی سے مدد کیوں نہیں لیتیں۔"

"انہیں اپنا ہوم ورک کرنا ہوتا ہے۔ سبق بھی یاد کرنا ہوتا ہے ورنہ انہیں پنشمنٹ ملتی ہے۔"

"کون دیتا ہے انہیں پنشمنٹ؟"

"ٹیچر بھی دیتی ہیں اور۔ اور۔" اس نے دزدیدہ نظروں سے عمیر کی طرف دیکھا۔

"اچھا تو کیا تمہاری امی بھی تمہیں پنشمنٹ کرتی تھیں؟"

"نہیں تو۔" مونی سے چمک کر یوں کہا۔ جیسے جوہی نے اس کی ماں پر کوئی الزام لگایا ہو۔

"تمہیں اپنی امی یاد تو آتی ہوں گی۔"

"جی ہاں۔" مونی ایکدم بجھ ہی گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارے ابو تم سے پوچھیں کہ تم کس کے پاس رہو گی تو، تم کس کے پاس رہنا پسند کرو گی؟"

"امی کے پاس۔" اس نے بلا توقف کہا۔

"کیوں کیا ابو اچھے نہیں لگتے؟"

"نہیں بہت اچھے لگتے ہیں میرے ابو تو بہت اچھے ہیں اور دادی جان بھی۔"

"تو پھر تم اپنی امی کے پاس کیوں رہنا چاہتی ہو؟"

"وہ ہیں۔ میں امی کے بغیر جو نہیں رہ سکتی۔" اتنا کہتے کہتے وہ رونے لگی۔

"دیکھا عمیر! یہ آپ کی بیٹی ماں سے جدائی کے غم میں رو رہی ہے۔ بھئی سچ بات ہے تو اس پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ کم از کم میرا ضمیر ہمیشہ مجھے الاہنے دیتا رہے گا کہ میں نے تمہاری زندگی شیئر کر کے ایک معصوم بچی کو اس کی ماں سے چھین لیا ہے۔"

"خیر خیر اگر بھیجنا ہی ہے تو عذیر بھی ابھی کمسن بچہ ہی ہے، وہ مونی کے مقابلے میں ماں سے زیادہ اٹیچڈ ہے۔" عمیر نے کہا۔

"ہاں مگر وہ لڑکا ہے اسے آپ کی توجہ کی ضرورت ہے ویسے بھی عزی آپ کی اکلوتی نرینہ اولاد ہے، اسے آپ کے زیرِ سایہ زندگی گزارنی چاہیے۔"

"اچھا اگر آپ نے ایسا کوئی کارنامہ انجام دے دیا۔ یعنی اولاد نرینہ کا۔"

"وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس وقت تو آپ بچی کو اس کی ماں کے حوالے کر دیں۔ جبھی میں آپ کی زندگی میں قدم رکھوں گی۔"

"ہائیں قدم تو آپ رکھ چکی ہیں۔ پھر؟"

"میرا مطلب ہے اس نئی زندگی کا آغاز اس گھر میں قدم رکھ کر کروں گی۔"

"اچھا اچھا بھئی اب آپ نے مشورہ دیا ہے تو اس پر جلد از جلد عمل درآمد کرنے کی کوشش کریں گے۔" عمیر نے کہنے کو تو کہہ دیا۔ مگر ان کا دل کسی طرح نہیں مانا۔ کہ وہ مونی کو دل و جان سے چاہتے تھے۔

یہی حال ان کی ماں کا بھی تھا۔ مگر ایک تو دوست و احباب کا بھی یہی کہنا تھا کہ مونی کو ماں کے پاس بھیج دینا چاہیے اس پر سعیدہ نے بھی مونی کو بلانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ عزی تو کسی نہ کسی طرح سوتیلی ماں کے زیرِ سایہ پروان چڑھ جائے گا کہ وہ لڑکا ہے۔ مگر مونی کے ساتھ سوتیلی ماں نا معلوم کیسا سلوک روا رکھے۔ وہ لڑکی ذات ہے۔ میں ہی احسن طریق سے اس کی پرورش کر سکتی ہوں۔

اس پر مستزاد جوہی نے دھمکی ہی ایسی دی تھی کہ جب تک بچوں کی تقسیم کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جائے گا۔ وہ ان کے گھر میں قدم نہیں رکھے گی۔ اس روز بھی وہ عمیر کے اصرار پر بڑی خوشامد درآمد کروانے کے بعد محض بچوں سے ملنے عمیر کے گھر آئی تھی وہ بھی کھڑے کھڑے۔

پھر فوراً ہی چلی گئی تھی۔ عمیر کو معلوم تھا کہ وہ اپنی بات کی بہت پکی ہے جب تک مونی نہیں جائے گی وہ گھر میں قدم ہی نہیں رکھے گی۔ جبکہ وہ جلد سے جلد اپنا گھر بسانا چاہتے تھے۔

بس انہی تمام باتوں کے پیشِ نظر دل پر پتھر رکھ کر آخر انہوں نے مونی کو ماں کے پاس بھیج ہی دیا۔ جبکہ عذیر چاہ رہا تھا کہ اسے ماں کے پاس بھیج دیا جائے۔ اس نے باپ سے کہا، رو رو کر دادی سے کہا مگر اسے جھڑک جھڑک دیا گیا۔ اسے یہ بتایا گیا کہ تمہاری امی کو بس مونی سے محبت ہے تمہارا تو انہوں نے ذکر بھی نہیں کیا۔ اور پھر تمہارے لیے تو یہی بہتر ہے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کہ تم اپنے باپ کے زیرِ سایہ پرورش پاؤ کہ آخر تم ان کے بیٹے ہو اور بڑے ہو کر تمہیں ان کا دست راست بننا ہے۔" دادی کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے باپ سے رجوع کیا۔

"تم اب چھوٹے سے بچے نہیں رہے جو اپنی امی کی انگلی پکڑے بغیر نہیں چل سکو گے تم کو تو ابھی دل لگا کر پڑھنا ہے۔ اگر تمہاری ماں تمہیں چھوڑ کر چلی گئی ہے تو اس میں میرا قصور نہیں۔ وہ چاہتی تو ہمیں اسی گھر میں تم دونوں بچوں کی خاطر پوری زندگی گزار سکتی تھی۔ مگر اس نے تو جاکر بھی مجھ سے میرا انمول خزانہ چھین لیا ہے۔ اس کی ضد کی وجہ سے مجھے مونی کو خود سے جدا کرنا پڑا ہے۔" اس کے ابو نے اس کے ماں کے پاس جانے کے جواب میں ایک لمبا لیکچر دے دیا۔ ادھر وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے فرش کو تکتا رہا۔ مونی یہاں بھی بازی جیت گئی۔

وہ ہر بات میں اس سے سبقت لے جاتی تھی۔ ہر معاملے میں اس کی مرضی کو در رکھا جاتا تھا۔

بوقتِ رخصت وہ خوش ہونے کے بجائے۔ باپ بھائی اور دادی کو خدا حافظ کہتے ہوئے بُری طرح رو رہی تھی۔ دادی بھی اسے جدا کرتے ہوئے بکھری جا رہی تھیں۔ اور وہ عزی کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر بار بار کہہ رہی تھی۔

"بھائی اگر امی نہ گئی ہوتیں تو ہم کبھی نہیں بچھڑتے۔ بھائی تم مجھے کتنے یاد آؤ گے امی بھی بہت روئیں گی تمہیں یاد کر کے۔ بھائی مجھے بھولنا نہیں۔ سچ میں نے تو کبھی تمہیں نہیں ستایا۔ اور تم بھی کہاں ستاتے تھے۔ وہ تو تم مذاق کرتے تھے نا۔ تبھی تو میں بُرا نہیں مانتی تھی۔ دیکھو بھائی بھول نہ جانا مجھے۔ اچھا کہہ دو چڑیل۔ گندی لڑکی، بدتمیز، مینڈکی۔ کچھ بھی کہہ لو مگر کچھ بولو تو۔ اتنے خاموش کیوں ہو کیا مجھ سے خفا ہو گئے ہو؟ پلیز بھائی۔" وہ عاجزی سے کہتی رہی۔ مگر عزی خاموش کھڑا رہا۔ بھرا بھرا سا دل لیے اداس سا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہے تو کیا کہے۔

یوں جیسے الفاظ ہی زمل رہے ہوں۔ اصل میں اس وقت اسے اس بات کا غم تھا کہ مونی کیوں جا رہی ہے۔ جبکہ ماں کے پاس جانا اسے چاہیے تھا۔ وہ اپنے دل میں بسے غم کو زیادہ دیر نہ چھپا سکا۔ اس نے کہا بھی تو کیا کہا۔

"امی سے کہنا مجھے بھی اپنے پاس بلا لیں، ان کے بغیر میرا دل یہاں نہیں لگتا۔ دیکھو مونی! ضرور کہہ دینا۔" اور مونی نے بلا تامل ہامی بھر لی۔ وہ اسے خط بھیجنے کی تاکید کر گئی تھی۔

مونی کے جانے کے بعد دادی کو چپ سی لگ گئی تھی۔

وہ جو بات بھی کرتیں۔ اس میں مونی کی بھولی بھالی اور معصوم باتوں کا ہی ذکر ہوتا تھا عذر نے انہیں چپکے چپکے آنسو بہاتے بھی دیکھا تھا۔ اور ملنے جلنے والوں سے یہ بھی کہتے سنا تھا کہ دیکھو ذرا اسی کلموہی جو ہی نے کس بری طرح میرے بچے کو اپنے شکنجے میں جکڑا ہے کہ میں تو کسی گنتی اور شمار میں نہیں، وہ تو اپنے بچوں کو بھی بھول گیا۔ اور بھئی بیٹی کو تو اس نے ماں کے پاس بھیج ہی دیا۔ رہ گیا بیٹا تو اس کی کوئی حیثیت اور اوقات ہی نہیں ہے۔ اور اب وہ نامراد ایک دو دن میں یہاں ہمارے سینوں پر مونگ دلنے آجائے گی۔ پھر دیکھنا کیا گل کھلاتی ہے اور کتنے فتنوں کو جگاتی ہے۔ مجھے تو اس بچے کی فکر کھا رہی ہے۔ ذرا دیکھو بے چارے کا ماں اور بہن کے چھوٹ جانے کے غم میں کیسا سپی سا منہ نکل آیا ہے۔ یا یہ عالم تھا کہ نچلا ہی نہیں بیٹھتا تھا۔ شرارتیں کر کر کے سارے گھر کو ہلا کر رکھ دیتا تھا یا اب یہ حال ہے کہ اسکول سے آنے کے بعد سارا وقت اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سوچتا رہتا ہے۔ پڑھائی سے بھی دل چاٹ ہو گیا ہے اس کا۔ اب خدا ہی جانے سوتیلی ماں یہاں آ کر کیا اودھم کرے اس کی۔ اسے میں نے تو کتنا کہا بھی تھا۔ ہوسے کہ اگر عمیر دوسری شادی کر رہا ہے تو کر لینے دو۔ اپنا گھر اور بچے چھوڑ کر کہیں نہ جاؤ۔ ارے ہاں مرد تو کئی کئی شادیاں کرتے ہیں مگر یہ تو نہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جا سکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوتا کہ بیوی گھر بار اور بچے چھوڑ کر چلی جائے ارے بچوں کی خاطر تو عورت آخری دم تک نبھا دیتی ہے۔ بچوں کی خاطر تو ہر دکھ جھیل لیتی ہے۔ مگر وہاں تو اتنی لمبی ناک کو تکڑے تکتی رہیں اور وہ کلموہی ابھی آئی بھی نہیں کہ خود طلاق لے کر چلی بھی گئیں۔"

دادی ہمیشہ اس کی امی کو ہی اس الیے کا ذمہ دار ٹھہراتی تھیں۔ اور ان کی یہ باتیں سن سن کر وہ بھی ماں سے کبیدہ ہو گیا تھا۔ ویسے بھی ان کے جانے سے اس کے معمولات میں بڑا فرق پڑ گیا تھا۔ ماں اس کے ناشتے سے لے کر اس کے کھانے کا۔ صفائی ستھرائی، کپڑوں اور پڑھائی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

اور اب ماں کے جانے کے بعد کوئی خیال رکھنے والا نہیں رہا تھا تو وہ اپنی طرف سے بہت لاپرواہ ہو گیا تھا۔

آخر ایک دن جوہی گھر میں آ ہی گئیں۔ دادی کی ناراضگی کی وجہ سے شروع شروع میں وہ بہت دبی دبی سی رہتی رہیں۔ اور ظاہر کرتی تھیں جیسے ساس سے بہت ڈرتی ہو۔ اور عمیر کے سامنے ساس سے خوشامدانہ رویہ اختیار کیے رہتی تھی۔ شروع شروع میں تو اس کا سلوک عذیر سے بہت مشفقانہ رہا تھا۔ گویا میاں کے دل میں گھر کرنے اور ان کے اندر اپنے لیے اعتماد پیدا کرنے کے گُر تھے سارے۔ دادی جوہی نے ہمیشہ کھنچی کھنچی نظر آئیں اور اس کی چاپلوسانہ باتوں پر کان نہ دھرتی تھیں۔ بلکہ بڑے روکھے پھیکے اور تیکھے انداز میں وہ بھی ہوں ہاں میں اس کی باتوں کے جواب دیتی تھیں۔ اور عذیر کے ساتھ جوہی کے رویے پر نکتہ چینی کرتی رہتی تھیں۔ دوسرے معنوں میں دادی جوہی کو بالکل منہ نہ لگاتی تھیں۔ شاید دادی کے ڈر سے یا دادی کے دل میں اپنا مقام بنانے کی غرض سے جوہی عذیر کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتی تھی۔ مگر عمیر اول تو بیٹے کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے تھے اور جو اگر دیتے بھی تھے بس ڈانٹنے ڈپٹنے اور لڑنے کی حد تک ہی دیتے تھے۔

"یہ تم اتنا گندہ کام کیوں کرتے ہو۔ لکھائی ہے تو جیسے کیڑے مکوڑے۔ لاکھ بار کہا ہے سلیٹ پر خوشخطی لکھا کرو۔ تم نے اپنے ناخن بھی نہیں کاٹے۔ دیکھو تو کیسے جنگلیوں کی طرح گندے اور میلے ہو رہے ہیں۔"

"یہ تمہارے بال اتنے بڑے بڑے ہو گئے ہیں۔ کیا چوٹی رکھنے کا ارادہ ہے۔ تیل کی وجہ سے چکٹ الگ گئے ہیں۔ چلو جا کر خوب اچھی طرح سر صاف کرو اور ہیر ڈریسر سے بال چھوٹے کراؤ۔"

"افوہ۔ اتنے ان ٹائیڈی کیوں رہتے ہو۔ یہ اتنا میلا کچیلا نوکروں کا سا لباس۔ کیا تمہیں اور کپڑے نصیب نہیں۔ کوئی دیکھے تو بھلا کیا کہے کہ عمیر اپنے بیٹے کو لباس خرید کر نہیں دیتا۔"

آخر تم دوسروں کو کیا دکھانا چاہتے ہو۔ ویسے ہی اتنی سی عمر میں تمہارے چہرے پر بارہ بجتے نظر آتے ہیں۔ اگر ماں کے پاس جانے کے لیے یہ سارا سوانگ رچا رکھا ہے تو کان کھول کر سن لو کہ جانا تو بڑی بات اب تم کبھی اس کی شکل بھی نہیں دیکھو گے۔ بڑی بے وفا اور خود غرض عورت ثابت ہوئی ہے وہ جس نے اپنی اولاد کو بھی تتر بتر کر کے رکھ دیا۔" اور ایسی باتیں سن کر دادی یہی کہتیں۔

"ارے تم کیوں اس اتنی سی جان پر طعنہ زنی کر رہے ہو۔ کیوں ایسی باتیں کر کے اس کے غم زدہ دل کو آزار پہنچا رہے ہو۔ ایک وہ اس کا خیال رکھنے والی تو گئی۔ ماں کے ہوتے ہی ہیں تو یہ ہر احساس سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ اس اتنی سی عمر میں۔"

"اماں جان! اب یہ اتنی سی عمر کا نہیں رہا۔ پورے بارہ سال کا ہو گیا ہے۔ پتا ہے اس اتنی سی عمر میں تو ابا ہمیں دو میل پیدل اسکول بھیجتے تھے۔ اور پیدل بلاتے تھے۔ اور کھانے کے لیے اکنی ہاتھ میں تھما دیتے تھے۔ جبکہ یہ دس روپے لے کر اسکول، بس میں جاتا اور آتا ہے۔ جتنے یونیفارم سب نیا ہوتا ہے اس کا اب یہ ننھا بچہ بھی نہیں رہا۔ اپنی ہر چیز کا خیال بہت اچھی طرح رکھ سکتا ہے۔ لیکن سعیدہ نے تو اس سے لاڈ کر کر کے اس کی عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ مگر پڑھائی کے معاملے میں، میں نرمی برتنے کا بالکل قائل نہیں۔ اگر اس کی رپورٹ گندی آئی تو میں مار مار کر اس کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔"

"ہاں میاں اب اس کی کسر ہی رہ گئی ہے۔ بچانے والی تو اب چلی ہی گئی۔ اب تم جو چاہو ستم ڈھاؤ۔ کون روکنے والا ہے تمہارا ہاتھ۔ ورنہ اس کو تو کبھی پھولوں کی چھڑی بھی نہیں چھوائی تھی۔ اے بچے اب ذرا دل لگا کر دھیان سے پڑھ لے ورنہ تیری پٹائی کے لوگ بہانے ڈھونڈیں گے۔" دادی طنز بھرے انداز میں بولیں۔

"نہیں اماں جان! اگر عذیر کی امی چلی گئیں تو میں تو موجود ہوں میں انہیں کبھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گی کہ"

"جوہی پلیز یو ڈونٹ انٹرفیئر۔ تم میرے معاملے میں نہ بولو۔ میں جو کچھ کروں گا۔ اپنے بیٹے کی بہتری کے لیے ہی کروں گا۔"

"ارے تمہارے باوا تو پورے جلاد تھے اپنی اولاد کے لیے مگر انہوں نے بھی مار مار کر تمہاری چمڑی نہیں ادھیڑی۔" دادی کو اس کے مارنے کی دھمکی بہت گراں گزری تھی۔ وہ چمک کر بولیں۔

"وہ اس لیے کہ ہم نے کبھی کوئی ایسی غلطی ہی نہیں کی جس کی سزا پاتے۔ اصل میں سخت گیر باپ کی اولاد بڑی بااصول اور مہذب ہوتی ہے۔"

"ارے چھوڑو بچے۔ باپ کی سخت گیری کی وجہ سے تم نے اور تمہارے دونوں بھائیوں نے جو سرکشی دکھائی ہے وہ۔ بس زیادہ میرا منہ نہ کھلواؤ ہاں اور نہیں تو۔"

دادی نے اُلجھتے ہوئے کہا۔ اور عمیر اس خیال سے چپ ہو گئے کہ کہیں وہ ان کی دوسری شادی رچانے کی حرکت پر جوہی کے سامنے نکتہ چینی نہ کرنے لگیں۔ بہرحال موقع دیکھ کر دادی نے عذیر کو سمجھایا۔

"دیکھو عذیر بیٹے، تمہاری ماں تو چلی گئی۔ اب یہ سوتیلی ماں ہے۔ اور بیٹا سوتیلی ماں کے آنے کے بعد سگے باپ بھی سوتیلے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا تم باپ کو کبھی کسی شکایت کا موقع نہ دینا خوب دل لگا کر پڑھنا اور کلاس میں اول آنا۔ تمہارے باپ کو بھی تمہاری بھلائی مقصود ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ تم خوب لکھ پڑھ کر بڑے آدمی بنو۔ بس اب بے دھیانی اور شرارتیں چھوڑ کر پڑھائی میں لگ جاؤ۔" اب اگر عذیر میں عقل ہوتی تو وہ کہتا کہ دادی جان کون کافر شرارتیں کرتا ہے۔ یہاں تو شرارتوں کا خون ہو گیا۔ اور ہنسی تک ہونٹوں سے چھن گئی ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں سونے کا بن کر بھی ابو کے سامنے جاؤں گا تو وہ مجھ میں کوئی نہ کوئی عیب ضرور نکالیں گے۔ کہ وہ تو شروع ہی سے میرے ساتھ سختی برتتے رہے ہیں۔ میری امی انہیں کتنا سمجھاتی بھی تھیں کہ اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کی بھی قدر کیا کیجیے مگر وہ یہی کہتے تھے کہ بھئی ہمیں تو ہماری موتی کے آگے کوئی جچتا ہی نہیں۔ اور بیٹے سے ہم کوئی دشمن تو نہیں ہیں، بس اس کی بہتری کی خاطر اسے ٹوکتے رہتے ہیں۔

اسے چھوٹی سی عمر سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ موتی کے آگے اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ وہ تو ماں ہی کا دم تھا جو اسے اس کی اہمیت کا احساس دلاتیں۔ اور ہر بات میں اسے آگے رکھتیں۔

یہ بچوں کی محبت کے درمیان تفریق کر کے والدین ان کی ذات پر زیادتی ہی نہیں ظلم کرتے ہیں۔ کہ ایک تو اولاد کے ذہن میں آپس میں نفاق پیدا کر دیتے ہیں دوسرے ایک کو خود اعتمادی بخشتے ہیں اور دوسری کو احساسِ محرومی اور احساسِ کمتری کا شکار بنا دیتے ہیں۔ اور دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ جو منظورِ نظر اور لاڈلی ہوتی ہے، وہی بڑے ہو کر والدین کو آزار پہنچاتی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہے۔ اور احساسِ محرومی میں ڈوبی ہوئی اولاد آرام پہنچاتی ہے۔

بہرحال چونکہ سوائے ایک مرتبہ کے جب اس نے مونی کو سیڑھیوں میں اڑا کر گرایا تھا ماں نے اسے بُری طرح پیٹا تھا۔ مگر ہاتھوں سے۔ مگر باپ سے وہ کچھ ڈرتا ہی بہت تھا۔ کیونکہ ایک مرتبہ اس نے باپ کے ہاتھوں ایک نوکر کی پٹائی ہوتے دیکھی تھی۔ جس نے دادی کا نیکلس چُرایا تھا تو اس کے ابو نے لکڑی سے اس کو اتنا مارا تھا کہ اس نے وہ نیکلس نکال کر ان کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔

اس پر دادی نے بھی باپ کا کچھ ایسا ڈراوا دیا تھا کہ وہ دل لگا کر پڑھنے لگا تھا۔ شوخیاں اور شرارتیں تو ماں اور بہن کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی تھیں۔ اور وہ اس کا بات بات میں ہنسنا اور مسکرانا بھی ایک طرح مفقود ہی ہو کر رہ گیا تھا۔

بہرحال زندگی تھی کہ کسی نہ کسی طرح گزر رہی تھی۔ جوہی کو گھر میں آئے سال نہ گزرا تھا کہ اس نے دو توام بچیوں کو جنم دیا۔ بچیاں بڑی صحت مند اور خوبصورت تھیں۔ عمیر کے تو دل کی کلی کھل گئی تھی۔ دادی کو بھی اس نے کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ انہیں تو مونی کا نعم البدل مل گیا تھا۔ کبھی ایک پوتی کو گود میں لیتیں، کبھی دوسری کو پہلے تو وہ بھی یہی کہتی تھیں کہ میری مونی کی طرح ہی یہ دونوں ہیں نا، آخر ایک خون تھا۔ مگر جب بچیاں ذرا بڑی ہوئیں اور باربی گڑیوں کی طرح نظر آنے لگیں تو دادی ان کی خوبصورتی کے سامنے مونی کو بھلا ہی بیٹھیں۔

ہر وقت ان کے صدقے واری جاتیں۔ عذیر تو ماں کے جانے کے بعد سے ہی بُری طرح نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ دو عدد بیٹیوں کی پیدائش کے بعد اس کی قدر بالکل ہی گھٹ گئی تھی۔ جوہی نے تو بس عمیر سے اس کی جھوٹی سچی شکایتیں لگانے کا ذمہ لے لیا تھا۔ دادی کے بقول عمیر کانوں کے بہت کچے تھے، بچیاں بھی اسی گھر میں پرورش پا رہی تھیں اور گزرتے وقت کے ساتھ بڑی ہو رہی تھیں۔ وہ بھی بھائی کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ جب کبھی اسے نوین پر پیار آتا اور وہ اسے گود میں اٹھاتا۔ وہ ڈر کر رونے لگتی۔ یہی حال سبین کا ہوتا جو نوین سے چار منٹ چھوٹی تھی۔ وہ تو اس طرح بلبلا کر روتی جیسے عذیر نے اس کے چٹکی بھری ہو۔ اس بات پر جہاں جوہی اسے مشکوک نظروں سے دیکھتی وہاں دادی بڑے دلار سے سمجھاتیں۔

"نہیں گڑیا، روتے نہیں یہ تو تمہارے بڑے بھائی ہیں۔ ایک ہی خون ہے تمہارا۔ یہ تو تمہیں بہت چاہتے ہیں۔ اور پھر تم ان سے کیوں ڈرتی ہو۔"

"اصل میں اماں جان عذیر شکل ہی ایسی بنائے رکھتا ہے کہ بڑے بچے بھی اسے دیکھ کر دہل جاتے ہیں۔" جوہی جل کر کہتی۔

"اے نہیں بہو، اگر عذیر کی رنگت کم ہے تو کیا ہوا، ناک نقشہ تو بہت نفیس ہے اور بچپن میں تو یہ بھی بہت گورا اور موٹا ہوا کرتا تھا۔ اس کی رنگت تو اب۔"

"آپ کا مطلب ہے، یہاں میرے آنے کی وجہ سے کم ہوئی ہے۔" جوہی نے طنز سے کہا۔

"نہیں یہ کون کہہ رہا ہے۔ دیکھو بہو، میری زبان نہ پکڑا کرو، مجھے ایسی باتیں بالکل پسند نہیں۔" دادی بچیوں کی پیدائش کے بعد جوہی کو بہو کہنے لگی تھیں۔ ڈانٹنے کے سے انداز میں بولیں۔ تو جوہی نے دانتوں کے درمیان زبان دبانے کے بعد کہا۔

"نہیں اماں جان، میں اتنی گستاخ نہیں ہوں کہ آپ کی زبان پکڑوں گی۔ میں نے تو ایک بات محسوس کی تو کہہ دیا۔ آپ خود ہی دیکھتی ہیں کہ عذیر دونوں بچیوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ کبھی اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ میں یا آیا کام میں لگی ہے اور کوئی بچی بُری طرح رو رہی ہے تو کم از کم کوٹ سے اٹھا کر اسے چمکار ہی لے۔ اگر میں کہتی بھی ہوں کہ ذرا بہن کو کوٹ سے اٹھا لو۔ (حالانکہ

اس نے کبھی یہ کہا تھا۔ بلکہ اگر وہ اٹھانے کے لیے کوٹ کی طرف بڑھتا تو وہ کہتی۔

"ارے ارے اس کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ بچی ڈر کر اور چیخنے لگے گی) تو یہ سنی ان سنی کر کے باہر بھاگ جاتا ہے۔"

"اصل میں عادی نہیں ہے بچوں کو اٹھانے اور کھلانے کا جب مونی بہت چھوٹی تھی تو یہ خود دو ڈھائی سال کا تھا۔ اس لیے ان بچیوں کو اٹھاتے ہوئے گھبراتا ہوگا۔"

دادی نے اتنا کچھ سن کر بھی عذیر کی حمایت کی تو جوہی منہ بنا کر بولی۔

"جب یہ بچہ تھا تو اس وقت کی بات اور تھی اب تو یہ اتنا بڑا ہو گیا ہے کوئی دودھ پیتا بچہ تو نہیں رہا۔ پندرہ برس کا ہو گیا ہے نویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ یہ اونٹ کا اونٹ۔"

"اے ہے بہو اس طرح منہ بھر کے تو نہ کہو۔ ماشاء اللہ اس کا قد باپ پر گیا ہے اور پھر بچیوں پر تو نوکر ہیں پھر اس کا گود میں لینا کیا ضروری ہے۔"

دادی نے پھر ٹوکا۔ جوہی اس وقت تو چپ ہو گئی مگر میاں کے آتے ہی اس نے گھما پھرا کر عذیر کا ذکر نکالا اور آخر عذیر کی شکایت کر ہی دی۔

اس وقت تو عمیر یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ ہاں اماں جان نے اس کے چونچلے کر کر کے اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ مگر جب عذیر نے میٹرک کا امتحان دیا تو دادی جو شوگر کی پرانی مریضہ تھیں۔ چند روز بیمار رہ کر زندگی سے ناتا توڑ گئیں۔ اور یوں عذیر کی جیسے مٹی ہی پلید ہو گئی۔

جوہی جو دادی کی وجہ سے خاموش رہتی تھی وہ بات بات میں اس کے فضیحتے کرنے لگی تھی۔ اس نے سائنس میں میٹرک کیا تھا اور سیکنڈ ڈویژن سے پاس ہوا تھا۔ اس بات پر جوہی نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔

"فرسٹ یا سیکنڈ پوزیشن لانے کے بجائے تم سیکنڈ ڈویژن سے پاس ہوئے ہو، تمہارے ابو نے کتنا پیسہ تمہاری تعلیم پر ضائع کیا ہے مگر تم دل لگا کر پڑھتے ہی کب ہو، ہر وقت منہ سجائے اپنے خیالوں میں گم رہتے ہو۔ نالائق کہیں کے۔" ایک تو دادی کا غم ابھی تازہ تھا۔ اس پر جوہی کی لگا فضیحتی بہت بڑھ گئی تھی۔ اور پھر وہ سیکنڈ ڈویژن سے ہی پاس تو ہو گیا تھا اور جوہی کی شکایت، یہی بات اس نے باپ کو بھی کہتے سنی تھی۔ اس کے باوجود بھی جوہی ملامت کرنے لگی تو اس نے کہا۔

"لیکن میں کیا کرتا ممی! میں نے دادی جان کے ذریعے ابو سے کتنا کہلوایا تھا کہ وہ میرے لیے ایک ٹیوٹر رکھ دیں جو مجھے میتھس اور سائنس پڑھا سکے مگر کسی نے سنا ہی نہیں۔"

"لو اب تم جواب بھی دینے لگے۔ سخت گستاخ ہو گئے ہو، شرم نہیں آتی تمہیں زبان چلاتے ہوئے، وہ بھی مجھ سے نالائق لڑکے۔"

"مگر ممی میں نے تو۔"

"بس بس چپ رہو۔ زیادہ میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں، بدتمیز، بے ہودہ۔ ناہنجار لڑکے۔" جوہی گلا پھاڑ کر چیخی۔

اتفاق سے عمیر اس روز آفس سے جلد آ گئے تھے، انہوں نے جوہی کے چیخنے کی آواز سن لی۔ وہ اپنا آفس بیگ بیڈ پر پھینک کر اندر ہال کے کمرے کے قریب آئے تو ان پر نظر پڑتے ہی جوہی نے رقت آمیز لہجے میں ان سے شکایت کرنی چاہی تو انہوں نے کہا۔

"تمہیں کچھ کہنے یا بتانے کی ضرورت نہیں ڈارلنگ میں خود اپنے کانوں سے سب سن چکا ہوں۔" اور پھر وہ عذیر کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

"اے بدذات کیا سمجھ رکھا ہے تو نے میری بیوی کو جو تو اس سے بدتمیزی کرنے پر تل گیا۔ کیوں جواب دیا تو نے انہیں آخر تیری اتنی جرأت کیسے ہوئی بتا مجھے جواب دے۔" باپ نے زندگی میں پہلی بار ایسی گھٹیا زبان استعمال کی تھی اس کے ساتھ اس نے اپنی صفائی میں کہنا چاہا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"لیکن ابو، میں نے تو ممی کو۔" لیکن اتنے دن کا زہر کانوں میں بھرا تھا۔ عمیر اب آپے میں نہیں رہے۔ انہوں نے سامنے ہی رکھی ایک لکڑی سے اسے مارنا شروع کر دیا۔ پہلے تو وہ خاموشی سے مار کھاتا رہا مگر جب تکلیف بڑھنے لگی تو وہ چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

"ابو میری توبہ میں اب ممی سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ ابو مجھے معاف کر دیجیے۔ پلیز ابو میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں ابو۔" تب خود جوہی نے ان کے دل میں اپنا مقام بنانے کی غرض سے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"بس بس ڈارلنگ آپ نے تو بے چارے کو دھن کر ہی رکھ دیا۔ اب وہ کہہ تو رہا ہے کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔" تب کہیں جا کر ان کا ہاتھ رکا۔

"ڈارلنگ اس منحوس سے کہہ دو کہ اب یہ مہینے تک مجھے اپنی شکل نہیں دکھائے ورنہ اب میں اسے الٹا لٹکا کر ماروں گا۔ جا دفعان ہو جا اپنی یہ ماتمی صورت لے کر۔" اور وہ روتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

باپ نے مارنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے عزتی بھی کی تھی کہ سارے ملازموں کے سامنے اسے مارا تھا۔ مار سے شرمندگی اور ذلت کے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کچن میں رکھی چھری سے اپنا کام تمام کر لے کہ اس روز سے پہلے ایک آدھ تھپڑ کے سوا وہ اس بری طرح کبھی نہیں پٹا تھا۔ وہ بھی نوکروں کے سامنے۔ دونوں بچیوں اور ان کی آیا کے سامنے۔ کئی روز تو وہ کمرے سے باہر ہی نہیں نکلا کہ یوں بھی رزلٹ آنے کے بعد اسے فرصت ہی فرصت تھی۔ کئی مرتبہ عمیر کے سامنے جوہی نے عنزی کے کمرے میں بند ہو کر بیٹھنے اور کھانے کی میز پر نہ آنے کو جتایا بھی تھا۔ مگر عمیر نے لاپروائی سے یہ کہہ کر کہ نہیں آتا تو نہ آئے تم بس اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تمہیں ویسے تو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا وہ۔" اصل میں وہ بھی اسے مار کر بہت پچھتا رہے تھے اور میاں کو چپ چپ اور ملول سا دیکھ کر جوہی بھی چوری بن گئی تھی۔ ادھر وہ تھا کہ پہلے تو دو دن خاموشی سے بیٹھا اپنی چوٹیں سہلاتا رہا پھر بیڈ روم میں جتنے رسالے اور کتابیں پڑی تھیں پڑھ ڈالیں مگر دل کسی میں نہ لگا۔ پانچ نوکروں میں سے صرف ایک ہی نوکر ایسا تھا جو اس گھر کا پروردہ تھا بڑا نمک حلال اور اس کا ہمدرد۔ وہی خانساماں سے کہہ کر اس کے کمرے میں اس کا کھانا اور چائے لاتا تھا۔ اور اسے زبردستی قسمیں دے کر کھلاتا بھی تھا۔ اور اسے تسلی دلاسے بھی دیتا تھا۔ اور وہ گم صم سا سب کچھ سنتا رہتا۔

اصل میں ماں سے جدا ہو جانے کا غم ہمیشہ ایک روگ کی طرح اس کے دل سے چپکا رہا تھا۔ اور اس نے جس جس اذیت سے اس غم کو سہا تھا۔ یہ وہی جانتا تھا۔ اس پر بہن بھی چلی گئی تھی۔ اور بہن کے جانے کے بعد ہی خاص طور پر اس وقت جب جوہی کے بطن سے پیدا ہونے والی بیٹیوں کے لاڈ اور چونچلے ہوتے تھے اسے اپنی بہن مونی کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ اس وقت تو چھوٹا تھا اتنا زیادہ احساس کرنے کا مادہ اس میں پیدا نہیں ہوا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا بہن سے جدائی کا احساس بڑھتا گیا اور باپ سے بے قصور مار کھانے کے بعد تو یہ احساس اتنی شدت سے بڑھا کہ وہ چپکے چپکے ماں اور بہن کو یاد کر کے روتا رہتا تھا۔

اسکول میں پڑھتا تھا تو دوستوں سے ہنس بول بھی لیتا تھا۔ گھر پر تو کوئی تھا ہی نہیں جس سے بات کرتا۔ اتفاق سے اس کا پھوپھی زاد بھائی جو اس کا ہم جماعت بھی تھا۔ اس کی امی کے سامنے تو اپنی ماں کے ساتھ ہر دوسرے تیسرے روز اس سے ملنے آ جاتا تھا مگر ان کے جانے کے بعد چونکہ جوہی گھر میں آ گئی تھی اس لیے کبھی مہینے میں دو تین بار ہی آتا تھا وہ بھی دادی کی زندگی تک۔

ویسے بھی اشفاق کے والد کا جب سے تبادلہ

ہوا تھا۔ ان کی والدہ اس کے والد اور بہنوں کے ساتھ دوسرے شہر چلی گئی تھیں۔ اور اشفاق کو پڑھائی کی وجہ سے اس کے چچا کے پاس چھوڑ گئی تھیں۔

بہرحال اشفاق سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی وہ اس کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ مگر میٹرک کا امتحان دینے کے بعد وہ بھی والدین کے پاس چلا گیا تھا۔ لیکن وہ پہلے کی طرح اس سے ملنے آتا بھی تو عذیر کی عادت نہیں تھی کسی پر بھی اپنے احساسات کا اظہار کرنے کی۔ بلکہ اتنی سی عمر میں وہ بہت سنجیدہ اور خاموش سا رہتا تھا۔

"بھئی تم اتنے چپ چپ سے کیوں رہتے ہو۔ بچپن میں تو تم ایسے نہیں تھے۔ یاد ہے شرارتیں کر کر کے سب کا ناطقہ بند کر دیتے تھے۔ بلکہ ممانی جان کے جانے کے بعد بھی تم اتنے گم صم نہیں تھے جتنے اب رہنے لگے ہو۔ آخر کیا بات ہے یار مجھے تو بتاؤ۔"

اشفاق اس سے زیادہ ہوشیار اور چالاک تھا۔ وہ کسی غیر معمولی بات کو جلدی تاڑ لیتا۔ جبکہ وہ تاڑ کر بھی خاموش رہتا اس بات پر جو ہی جل کر اس کی اس عادت کو گھنے پن سے مثال دیتی تھی۔ اب کسے معلوم تھا کہ اس کے دل میں ایک ایسا اذیت ناک ماضی چھپا ہوا ہے جس سے وہ گلوخلاصی بھی کرنا چاہے تو کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اصل میں ضمیر کی ملامت میں مبتلا رہتا تھا۔ اسے اپنی چھوٹی سی بہن کے ساتھ اپنا ناروا سلوک۔

اس کی بھولی بھالی اور معصومانہ باتیں۔

نرم دلی اور رحم کھانے کی عادت جن کو وہ بالکل گردانتا ہی نہ تھا اور وہ بات بات میں اسے آزار پہنچانا۔

پنسل اڑا کر گرا دینا۔ اس کا ہوم ورک یا تو مٹا دینا یا پھر اس پر بڑے بڑے کراس یا زیرو بنا دینا۔ وین ڈرائیور کو جھوٹ بول کر چلتا کر دینا۔

اس بات سے جلنا کہ وہ اچھے نمبر کیوں لاتی ہے۔ اور اس بات پر خار کھانا کہ سب اسے کیوں چاہتے ہیں۔ کیوں اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔

دادی ہمیشہ اس کی حمایت میں کیوں بولتی ہیں اور اسے اتنا کیوں چاہتی ہیں۔ بلکہ امی اور دادی سمیت سبھی اسے چاہتے ہیں اور عمدہ عمدہ گفٹس دیتے ہیں۔

ابو اس کی وجہ سے مجھے سزا دیتے ہیں۔ اسی بات پر تو وہ مونی کو آزار پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ میں ایسا کیوں کرتا تھا کیوں۔؟

میں اتنا خود غرض اور سخت دل کیسے ہو گیا تھا؟

وہ چلتے چلتے کس طرح رو رو کر کہہ رہی تھی کہ "بھائی تم مجھے بہت یاد آؤ گے۔"

"بھائی! تم مجھے بھولنا نہیں۔"

مجھے خط ضرور لکھنا۔ اور بہت سی باتیں جو اس نے بوقت رخصت کہی تھیں۔ مگر اس وقت میں کہ میرے بجائے وہ امی کے پاس جا رہی ہے میں اس کی کہی باتوں کو ڈھنگ سے سن بھی نہیں سکا تھا۔ اف میں کتنا برا ہوں میں اس وقت بھی اپنی اتنی پیاری اور معصوم بہن کو گلے سے نہ لگا سکا۔

یہ تھیں شروع شروع کی یادیں۔ جب اس نے صرف میٹرک ہی کیا تھا۔ بعد میں تو یہ یادیں کچھ ایسی لیک دینے لگیں کہ اس کا تمام وجود سلگ اٹھتا تھا۔ کالج میں، یونیورسٹی میں، ہر جگہ یہ یادیں ایک خلش ایک پچھتاوا بن کر اس کے اندر ایک دنگل سی مچا دیتی تھیں۔

گو اس روز کے بعد عمیر نے اسے کبھی اتنی شدت سے زدوکوب نہیں کیا تھا۔ مگر جوہی کی باتیں دل چھید دینے والی ہوتی تھیں۔ جن کی تائید میں وہ اسے برا بھلا کہتے تھے۔ صاحب خانہ اور ان کی بیگم اس کے خلاف تھے تو نوکر چاکر بھی اسے خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ سوائے بشیر کے جو ہمیشہ اس کی دلجوئی میں لگا رہتا تھا۔

پھر ان دنوں جب وہ انٹر کا امتحان دے کر رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک دن اس کی سوتیلی چھ سالہ سوتیلی بہن سبین نے لان میں پڑا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ایک پتھر اس کے سر پر دے مارا۔ اصل میں وہ سہ پہر کے وقت لان میں کرسی پر بیٹھا ایک روزنامہ اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔ سبین بڑی صحت مند بچی تھی۔ اس کے دل میں شروع ہی سے عزی کے لیے نفرت پیدا کی گئی تھی۔ اس پر چھوٹی نوین کے مقابلے میں وہ شریر بھی بہت تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی عزی نے اسے شور مچانے پر ڈانٹا تھا۔

شاید اس لیے اس نے عزی کے سر پر پتھر مارا تھا۔ پتھر خاصا بڑا تھا اور زور سے عزی کے سر پر لگا تھا۔ جس کی ضرب سے عزی کی پیشانی کی کھال لپیٹ کر ہلکا ہلکا خون رسنے لگا تھا۔ پورا سر بھی جھنجھنا کر رہ گیا تھا۔ عزی نے اُٹھ کر اسے پکڑنا چاہا تاکہ جوہی کے پاس لے جا کر اسے ڈانٹ پڑوائے۔ مگر ہوا یوں کہ عزی کو تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھ کر سبین ڈر کر بھاگی اور سامنے پڑے ایک پتھر سے ٹکرا کر بجری کی روش پر جا گری۔ جس سے اس کے گھٹنے اور کہنیاں زخمی ہو گئیں اور وہ گلا پھاڑ کر رونے لگی۔

جوہی گھبرا کر باہر آئی تو اس نے ماں کو دیکھتے ہی رو رو کر کہنا شروع کر دیا۔

"امی! بھائی جان نے مجھے گرایا ہے۔ انہوں نے مجھے مارا بھی ہے۔"

"ہیں سبی! جھوٹ کیوں بول رہی ہو میں نے تو تمہیں ہاتھ تک نہیں لگایا۔" اتنی صفائی سے اس کے جھوٹ بولنے پر اس نے کہا۔ مگر جوہی کو تو بہانا چاہیے تھا۔ اسے بُرا بھلا کہنے اور پٹوانے کا۔ چنانچہ عزی کی تو شامت ہی آ گئی۔ جوہی نے نہ صرف خود اس کو تھپڑ مارے بلکہ عمیر سے بھی پٹوایا۔

مار نے اور زیادہ ملنے جلنے کی وجہ سے اس کی پیشانی کی کھال مزید پھٹ گئی تھی۔ جس سے خون رس رہا تھا۔ عمیر کی نظر پڑی تو انہوں نے ہاتھ روک کر جوہی سے پوچھا۔

"یہ اس کی پیشانی سے خون کیوں رس رہا ہے۔" اور اس سے پہلے کہ جوہی کچھ جواب دیتی۔ نوین اپنی توتلی زبان میں بولی۔

"چھبی (سبی) نے بھائی کے ماتھے پر پتھر مارا تھا ابو۔" اور وہ پوری بات بھی نہ کہنے پائی تھی کہ جوہی نے اسے بُری طرح ڈانٹ کر کہا۔

"کیا بک رہی ہو نوین! شرم نہیں آتی بہن پر الزام لگا رہی ہو۔"

"نہیں سچی امی چھبی نے بھائی جان تو بتھل مالا تھا۔ بھائی جان اس کو پتر نے (پکڑنے) دوے (دوڑے) تو یہ در دئی (ڈر گئی)۔"

"اوہ تو یہ بات تھی۔ جوہی تم آنکھیں بند کر کے بچیوں کی جھوٹی سچی باتوں پر ایمان نہ لے آیا کرو۔ دراصل تم عورتوں کی ایسی لگائی۔ بجھائی کی باتیں اپنے سگوں کے دلوں میں زہر گھول دیتی ہیں۔ آپس میں دل بُرے ہو جاتے ہیں اپنوں کے۔"

عمیر نے بڑے غصے کے عالم میں کہا اور اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔ عزی سے کہنے کے لیے شاید انہیں الفاظ ہی نہیں ملے تھے۔ یا پھر اس کے سامنے اس کی سوتیلی ماں کو لتاڑ کر انہوں نے اپنی جھینپ مٹائی تھی۔ ان سے اتنا بھی نہ ہوا کہ اس کی پیشانی سے رستے ہوا خون کا ہی کوئی مداوا کر دیں۔

بہرحال اس واقعے کے بعد تو وہ اپنی نظروں میں خود ہی گر گیا تھا۔ اب وہ واقعی چھوٹا نہیں رہا تھا۔ اٹھارہ برس کا ہو گیا تھا۔ اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے سوچ رہا تھا کہ اس گھر میں اس کی حیثیت ہی کیا رہ گئی ہے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ کہ کچھ فطرتاً خوددار اور خاموش طبع تھا۔ دوسرے معنوں میں اگر بے زبان کہا جائے تو مناسب ہو گا۔ کہ اس کے منہ میں زبان ہی نہ تھی۔ بس وہ جو کچھ بھی تھا ماں کی موجودگی میں ہی تھا۔ اور تمام شوخیاں، شرارتیں بہن کے دم تک تھیں۔ اسی کو یاد کر کر کے وہ مضمحل سا رہتا تھا۔ دادی کی زندگی تک تو کسی نہ کسی طرح ماں کی سن گن مل جاتی تھی۔ کیونکہ شروع شروع میں ہی انہوں نے اسے چند خط لکھے تھے جن کا جواب لکھ کر اس نے دادی کے خط میں

بھیج دیا تھا۔ مگر دادی کی زندگی میں ہی اس کی امی کے خط آنے بند ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس نے دادی کو ابو سے کہتے سنا تھا کہ اس کی والدہ موفی کو لے کر آسٹریلیا جا رہی ہیں۔ جہاں عرصے سے ان کے بھائی رہائش پذیر ہیں۔ کیونکہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر نے تو اسے ماں سے بالکل ہی دور کر دیا تھا۔ گویا ماں اور بہن سے ملنے کی تھوڑی بہت امید بھی قطع ہو گئی تھی۔ اب تو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی تذلیل و ذلت کے ساتھ باپ کے یہاں ہی رہنا پڑ رہا تھا۔

ابھی تو اس کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اور اس کا کوئی اور ٹھکانہ بھی نہ تھا نہ جیب میں ایک دھیلا۔ جو اپنے اخراجات پورے کر سکتا۔ ہر معاملے میں باپ کا محتاج تھا۔ دادی نے سچ ہی کہا تھا کہ سوتیلی ماں کے آنے کے بعد سوتیلی ماں سے زیادہ ان کا باپ سوتیلا بن جاتا ہے تو اس کی مثال اس کے باپ پر صادق آئی تھی۔

کہ بھلا جوان اولاد کو بھی جو نیک اور شریف ہو اور سب سے بڑھ کر بے گناہ کوئی باپ مار سکتا ہے۔ اف اس واقعے نے اسے بالکل ہی گم صم کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ دنیا میں خود کو بالکل تنہا اور بے سہارا سمجھنے لگا تھا۔ دادی ہمیشہ اسے تعلیم کی طرف راغب ہونے کی نصیحت کرتی تھیں۔ اور ملازم بشیر بھی اس کے حالات کے پیش نظر اس سے یہی کہتا تھا کہ وہ خوب دل لگا کر پڑھے۔ تاکہ کسی بڑے عہدے پر فائز ہو جائے۔ تو دنیا اس کے پیروں تلے آ جائے گی۔ — پڑوس میں رہنے والی بیگم منور علی جن سے اس کی امی کے بہت گہرے تعلقات تھے اور جو اس کے حالات سے بڑی حد تک واقف تھیں، ہمیشہ اسے یہی نصیحت کرتیں کہ وہ خوب پڑھ لکھ کر بڑا افسر بن کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے تو ایک دنیا اس کی عزت کرے گی، اس کے پیروں میں جھکے گی، حتیٰ کہ باپ بھی اپنا رویہ تبدیل کر لیں گے۔

خیر باپ کے رویے تو تبدیل کرنے کی تو اسے پرواہ نہیں تھی۔ چونکہ ان سے کچھ اس بُری طرح دل کھٹا ہوا تھا کہ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اگر کچھ بن بھی گیا تو کبھی ان کے گھر کا رُخ نہ کرے گا۔ نہ ان کی جائیداد میں سے ایک چیز بھی لے گا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ دونوں لاڈلی بیٹیوں کے سامنے اسے جائیداد سے بے حق کر دیں گے۔ گو کہ خیال بالکل غلط ہی تھا۔

شرعاً اور قانوناً وہ چاہتے بھی تو اسے بے حق نہیں کر سکتے تھے۔ اور وہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں باپ نے فلاں بیٹے کو اپنی جائیداد سے عاق کر دیا تو وہ موجودہ قانون کے تحت اگر صحیح بھی ہو لیکن شرعاً بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ شریعت میں عاق کر دینے کا کوئی مسئلہ ہی موجود نہیں ہے۔ بہرحال جائیداد وائیداد کی اسے تمنا تھی نہ پرواہ، وہ تو صرف اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ مگر گھر کے ماحول میں اس کا اسٹڈی کرنا مشکل ہی نظر آتا تھا۔ اس لیے بی ایس سی کرنے کے لیے اس نے بیگم منور حسین کے ذریعے اپنے باپ سے کہلوایا کہ وہ اس کی تعلیم جاری رکھیں۔ اور پنجاب یونیورسٹی میں اسے داخلہ دلوا دیں۔ ظاہر ہے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا مطلب تھا کہ ہوسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کرنا ہو گا۔ تو عمیر نے تھوڑی سی تگ و دو کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں اسے داخل کرا دیا۔

داخلہ بھی کافی دقت سے ہوا تھا۔ اس پر اس نے آتے ہی سبجیکٹ بدل ڈالا تھا۔ اصل میں زبردستی اس نے دل پر جبر کر کے بی ایس سی تک پڑھا تھا۔ جبکہ دوستوں کے مشورے کے مطابق وہ ایم بی اے کرنا چاہتا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے۔ کون وہ اخراجات برداشت کرے جو ایم بی اے کرنے میں ادا کرنے پڑتے ہیں۔ باپ سے کہنے کا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا۔ کہ وہ تو اپنی ساری کشتیاں جلا کر آیا تھا۔ خواہ ساری عمر جاہل ہی رہتا۔ مگر ان کے آگے دستِ سوال کبھی دراز نہ کرتا۔ جبکہ ان کا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

یہی احسان کیا کم تھا کہ وہ یونیورسٹی اور ہوسٹل کے اخراجات اٹھا رہے تھے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے بیگم منور علی کو فون کر کے کہا کہ فنانس کا سبجیکٹ اسے سخت ناپسند ہے اور بہت مشکل لگتا ہے۔ اصل میں یہ مضمون میرے دماغ میں ہی نہیں بیٹھتا۔ اب میں بی ایس سی کرنے کے بعد یہاں آیا ہوں تو یہ سبجیکٹ بدل دینا چاہتا ہوں۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ ایم بی اے کروں۔ آخر ابو کو میری پڑھائی پر تو پیسہ خرچ کرنا ہی ہو گا۔ تو کیوں نہ میرے پسندیدہ سبجیکٹ پر کریں۔

آنٹی! میں ایم بی اے کرنا چاہتا ہوں آپ پلیز ابو سے میری سفارش کر دیں میں پرسوں آپ کو پھر فون کروں گا۔"

اور اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب باپ نے خود اسے فون کر کے اسے ایم بی اے کرنے کی اجازت دے دی۔

تب ایم بی اے کر کے کسی قابل بننے میں بھی اسے کم و بیش چھ سال لگے۔ اس عرصے میں باپ کے بلانے کے باوجود وہ ایک بار بھی باپ سے ملنے نہیں گیا۔ اس عرصے میں دونوں بہنیں جوان ہو گئی تھیں۔ اور خاص طور پر نوین اسے گاہے بگاہے فون کر کے اس کی خیریت پوچھنے کے ساتھ ساتھ اسے بڑے اصرار سے گھر بلاتی تھی۔

اور سبین بھی کبھی کبھی فون کر کے اسے بلاتی تھی۔ حد تو یہ تھی کہ جوہی بھی کبھی کبھی فون کر کے اس کی خیریت پوچھ لیتی تھی۔

مگر—— وہ بہت رسمی انداز اور خشک لہجے میں مختصر سا جواب دیتا تھا۔ جوہی نے اس کے باپ کو نباہ دیا تھا یہی عذیر کے لیے بڑی حیران کن بات تھی۔ اب اسے کیا معلوم تھا کہ جوہی نے اس کے باپ کی جائیداد اور دولت کی خاطر ان سے نباہ کیا ہے۔

مگر یہ تو اس وقت تک کی بات تھی جب تک وہ ایم بی اے کرنے کے بعد ملازمت کے لیے قسمت آزمائی کر کے ہوسٹل میں رہ رہا تھا۔ اس کے بعد اسے اچھی بلکہ بہت اچھی اور معقول سی ملازمت ملی تو وہ محکمے کی طرف سے ملے ہوئے بنگلے میں منتقل ہو گیا۔ اور اس طرح باپ اور گھر والوں سے بالکل ہی کٹ کر رہ گیا۔ البتہ کسی سے اس کا رابطہ قائم رہا تو وہ اشفاق تھا۔ کہ حسن اتفاق سے اسی شہر میں سکونت پذیر تھا۔ جہاں ملازمت کے سلسلے میں اس کا تقرر ہوا تھا۔ گو اشفاق کا محکمہ دوسرا تھا اور وہ یہاں چیف اکاؤنٹنٹ کے منصب پر فائز تھا۔ مگر وہ ہر دوسرے تیسرے روز اس سے ملنے اس کے بنگلے پر پہنچ جاتا تھا۔ اور یوں کچھ دیر کے لیے دونوں کا وقت کچھ اچھا گزر جاتا تھا۔

پھر عذیر کا وہاں سے ٹرانسفر ہو گیا۔ اور یوں ایک بار پھر اشفاق سے اس کا رابطہ منقطع ہو گیا کہ اس کی نہ تو خط لکھنے کی عادت تھی نہ فون کرنے کی بس اشفاق ہی گاہے گاہے اسے فون کر لیتا تھا۔

حد تو یہ تھی کہ انہی دنوں وہ آنسہ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گیا۔ اشفاق کو اس بات کا بھی بہت شکوہ تھا کہ اس نے اگر اسے مدعو نہ کیا ہوتا تو کم از کم اطلاع تو دے دی ہوتی۔ اور عذیر اس کے شکوے کا جواب بھی نہیں دے سکا تھا۔ کیونکہ شادی کے کچھ عرصے بعد ہی محکمے کا ہی کوئی کام نمٹانے اسے دوبئی بھیج دیا گیا تھا۔

وہاں سات آٹھ ماہ گزار کر آنسہ کے ساتھ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اشفاق بھی اسی کے محکمے میں چیف اکاؤنٹنٹ بن کر آ گیا ہے لیکن اشفاق چونکہ عذیر کی فطرت سے واقف تھا کہ کچھ آدم بیزار سی ہو گئی ہے اس پر اب بیوی کا ساتھ بھی ہو گیا ہے اس لیے وہ اس کے گھر کم ہی آتا تھا۔ اشفاق کے والد کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی دونوں بیٹیوں کی شادیاں کر دی تھیں۔ اب اس کی والدہ اس کی جلد سے جلد شادی کرنا چاہتی تھیں۔ اتفاق سے ان دنوں جب عذیر اپنی بیوی کے ساتھ دوبئی گیا ہوا تھا۔ اشفاق کی والدہ کو اپنی نند کی لڑکی کی شادی میں جانے

کا اتفاق ہوا۔ اور اسی شادی میں عرصے بعد ان کی ملاقات جوہی اور اس کی بیٹیوں سے ہوئی۔ تو جوہی ان سے بہت ہی خلوص سے پیش آئی۔ اور انہیں بڑے اصرار سے اپنے گھر بلایا۔ اصل میں اشفاق کی والدہ شائستہ بیگم عمیر کے والد کی سوتیلی بہن کی لڑکی تھیں دادی سوتیلی پن کی وجہ سے ان سے کھنچی کھنچی سی تھیں —— جبکہ سعیدہ ان سے بڑی محبت سے پیش آتی تھیں۔ ان سے شائستہ کی گاڑھی چھنتی تھی۔ وہ چلی گئیں تو انہوں نے آنا جانا کم کر دیا تھا۔

جوہی کو انہوں نے صرف ایک دو بار ہی دیکھا تھا۔ جب وہ نئی نئی بیاہ کر آئی تھی۔ اس کے بعد تو ان کے شوہر کا ٹرانسفر ہو گیا تھا۔ اور وہ دوسرے شہر چلی گئی تھیں۔ اب بھی جوہی نے ہی ان کے بارے میں پوچھ کر کہ یہ کون ہیں کسی سے تب کہیں جا کر انہیں پہچانا تھا۔ سسرال والے اس سے کم ہی ملتے تھے۔

سب کو ہی اس بات کا بہت ملال تھا کہ جوہی نے ایک اچھی خاصی نیک اور فرض شناس عورت کا گھر تباہ کر کے اس کے شوہر پر قبضہ جمایا تھا۔ کہ عام طور پر لوگ پسند تو کیا ایسے کردار اور خصلت کی عورتوں کو معاف نہیں کرتے جو اپنی اچھی خاصی وفا شعار عورتوں کو ان کے گھروں سے نکلوانے کا سبب بنتی ہیں۔

بہر کیف، جوہی ایک عرصے بعد بہت اتفاقیہ ملی تو یکسر مختلف ہی ثابت ہوئی۔ انہوں نے اشفاق سے بھی اس کا ذکر کیا اور اگلے دن ہی وہ بیٹے کے ساتھ عمیر کے یہاں جا پہنچیں۔

وہ بڑے تپاک سے ان سے ملے۔ دونوں میاں بیوی نے ان دونوں ماں بیٹوں کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انہوں نے اشفاق سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر چاہو تو دونوں بہنوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لو پھر میں بات کو آگے چلاؤں گی۔ اور اشفاق کو نوین بہت پسند آئی۔ اس نے گھر واپس آ کر ماں کو اپنی پسند سے آگاہ کر دیا۔ گو شائستہ بیگم کو عمیر کے کروفر دیکھ کر امید تو نہ تھی کہ وہ اشفاق کو اپنی فرزندی میں قبول کر لیں گے۔ لیکن انہوں نے ایک موہوم سی امید پر پیغام ضرور دے دیا۔

اور خلاف امید ادھر قبول بھی کر لیا گیا کیونکہ رشتے داری کا معاملہ تھا اور لڑکا دیکھا بھالا اور تعلیم یافتہ بلکہ برسر روزگار تھا۔ اور اپنے والد کی جائیداد کا وارث ہی نہیں بلکہ مالک بھی تھا۔ اس پر جوہی چونکہ غریب طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا کوئی رشتے کنبے دار بھی نہ تھا۔ اس لیے اس کی شروع سے ہی یہ خواہش تھی کہ اس کی بیٹیاں اعلا خاندانوں میں بیاہی جائیں اور یہ تو رشتے داری کا معاملہ تھا اس لیے وہ اشفاق پر ریجھ گئی۔ اور اس طرح اشفاق اور نوین کی نسبت طے ہو گئی۔

اشفاق اپنی ڈیوٹی پر واپس آیا تو اپنے ساتھ ماں کو بھی لیتا آیا۔ کہ باپ کے انتقال کے بعد وہ بے چاری کس کے ساتھ رہتیں بیٹے کے سوا۔ مگر وہ ماں کو عذیر سے ملانے نہیں لے گیا بلکہ عذیر کو زبردستی کھینچ کھانچ کر ان سے ملوانے لایا۔ اور وہیں شائستہ بیگم کی زبانی اسے اشفاق اور نوین کی نسبت طے ہو جانے کی اطلاع ملی۔ مگر اس نے پھوپھی کو یا اشفاق کو مبارکباد نہیں دی۔ کہا تو اشفاق سے صرف اتنا کہا۔

"یار! تمہارے نصیب میں کیا یہی گھر رہ گیا تھا۔ یا اچھی لڑکیاں تمہارے لیے عنقا ہو گئی تھیں؟"

"مگر میرے دوست! یہ تمہارا ہی گھرانہ ہے اور تمہاری ہی بہن۔"

"نہیں! وہ میری بہن نہیں ہے، میں اپنے گھر سے سارے رشتے سارے ناتے توڑ چکا ہوں تم بھی دیکھ لینا۔ ایک دن سخت پچھتاؤ گے کیونکہ تم ان کی خصلتوں سے واقف نہیں ہو۔ لگائی بجھائی، جھوٹ بولنا۔ آپس میں تفرقہ ڈالو، نا بس یہی ان کی صفات ہیں۔ میری مانو تو توڑ دو یہ رشتہ، کیونکہ ابھی تو کچھ نہیں گیا صرف بات ہی زبانی طور پر طے ہوئی ہے۔"

عذیر نے دوسرے معنوں میں گویا اپنا فیصلہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سنا دیا تھا۔ اشفاق بھی ایک مخمصے میں پڑ گیا تھا۔
اصل میں عذیر کی خاطر اسے بہت عزیز بھی اور وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ عذیر نے زندگی میں پہلی بار اس کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ اس نے ماں سے بھی ذکر کیا مگر وہ نہیں مانیں اور اس طرح اشفاق اور نوین کی شادی انجام پائی۔ عمیر نے کوثر ہی سے کہہ دیا تھا کہ میں اس شادی میں شریک نہیں ہوں گا۔ جب تک میرا بیٹا نہیں آئے گا۔ کہ عمیر بھی بیٹے کے ساتھ اپنے بدترین سلوک پر بڑے رنجیدہ اور ملول تھے۔ انہیں ہر وقت موحی اور بیٹا یاد آتا رہتا۔ ایک خلش تھی جس میں مبتلا ہو کر وہ بیمار سے رہنے لگے تھے۔ تجربے اور مشاہدے نے ثابت کیا ہے کہ واقعی ایک عمر ایسی ہوتی ہے جب اپنی کوتاہیوں، غفلت اور زیادتیوں کا احساس، پچھتاوا بن کر انسان کو ڈسنے لگتا ہے۔ تو ایسے ہی پچھتاوے کی آگ میں عمیر بھی جل رہے تھے۔ اس بڑھاپے کی طرف تیزی سے بھاگتے ہوئے دور میں اگر جوان اور گھبرو بیٹا ان کے پاس ہوتا تو اس حد تک بڑھاپے اور اکیلے پن کا احساس نہ ہوتا مگر انسان کے کیے کی سزا کچھ قدرت بھی اسے دنیا میں ہی دے دیتی ہے۔

بہر حال پھر جو ہی اور اس کی بیٹیوں نے سر پٹخ لیا۔ شائستہ اور اشفاق نے بھی بہت اصرار کیا مگر اس نے بہن کی شادی میں شرکت نہیں کی۔ بلکہ الٹا اشفاق سے خفا ہو گیا۔ وہ اپنی بیوی کو اس سے ملانے بھی لایا تو اس نے سیدھے منہ بات نہیں کی۔ جبکہ نوین واقعی شروع سے اسے چاہتی تھی۔

اشفاق اسے آلنسہ کو دوا دینے اور اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کی تاکید کر کے گیا تھا مگر وہ تو ماضی میں کچھ اس بری طرح کھویا تھا کہ اسے کچھ یاد ہی نہیں تھا اس پر اس نے جب اس کی آلنسہ سے شادی ہو رہی تھی تو عہد کیا تھا کہ کبھی اولاد پیدا نہیں کرے گا۔ کیونکہ جب والدین بلکہ دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں تو اولاد کی نہ صرف مٹی پلید ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی زندگی سے بھی عاجز آ جاتے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس نے دوبئی کے قیام کے دوران ایک ڈاکٹر سے لے کر ایسی دوا یا گولیاں کھائی تھیں کہ جن سے اولاد ہونے کے امکانات ہی نہیں رہتے۔ اور گولیاں کھا کر وہ اولاد کی طرف سے بے فکر ہو گیا تھا۔ مگر آلنسہ تھی کہ اسی مسئلے کو موضوع سخن بنا کر اس سے لڑتی اور جھگڑتی تھی۔ اس کے پیہم انکار پر نوبت یہ آئی تھی کہ وہ اس سے طلاق لینے پر بھی راضی ہو گئی تھی۔ جبکہ وہ سمجھتا تھا کہ آلنسہ اس کا حکم مانے گی۔ اس کے اشاروں پر چلے گی اور ایسا غلط مطالبہ ہرگز نہیں کرے گی۔ مگر اس کی امید اور مرضی کے خلاف اب یہ ہو گیا تھا۔

وہ بھی غصے میں اسے گھر سے نکالنے پر تیار ہو گیا تھا مگر پھر اس کے نتیجے میں اپنی بدنامی کے ڈر سے وہ اس پر تشدد کر بیٹھا تھا مگر اس تشدد کا نتیجہ جو نکلا اسے تو وہ کسی قیمت پر بھی تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔

بقول اشفاق یہ سب قدرت سے سرکشی کرنے کے مترادف تھا۔ اسے اسی ایک جگہ پر بیٹھے دن شام میں ڈھلنے لگا تھا۔ اسے بیمار اور لاغر بیوی کو دوا دینے کا خیال آیا تھا نہ کھانا دینے کا۔ یہ بھی احساس نہیں رہا تھا کہ کھانے اور دوا کے بغیر آلنسہ کا کیا حال ہو رہا ہو گا۔ جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا

جسے پا کر وہ یہ سمجھتا تھا کہ بس دنیا میں اس نے سب کچھ پا لیا ہے۔ جس کے سامنے وہ یہ شعر پڑھتا تھا۔

سب کچھ مانگ لیا ہے تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ اب اس دعا کے بعد

وہ شرما کر ہنسنے لگتی تھی۔
مگر اب وہ اسے زہر لگنے لگی تھی۔
بھلا کتنے گھٹیا انداز میں اس نے اس کے عہد کو توڑا تھا۔
بے ہوش ہو کر اور بیمار بن کر اس نے یہ

سوانگ کھیلا تھا۔
ورنہ اسے پہلے سے ہی معلوم ہو گیا تھا سب کچھ، اسی لیے وہ بلا کی طرح میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔
مگر جو کچھ بھی سہی مگر میں یہ ماننے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں ہوں گا کہ وہ میری اولاد ہی ہے۔
وہ مکار اور دغا باز عورت اپنا کوئی گناہ میرے سر تھوپنا چاہ رہی ہے۔
یہ بات میں چلا چلا کر دنیا سے کہوں گا۔
ہاں میں اس بے غیرت عورت کا سارے زمانے میں پول کھولوں گا۔
اتنا کہتے ہوئے جوش میں آ کر اس نے کرسی کے ہتھے پر زور سے مکا مارا تو وہ ایکدم ماضی کو پھلانگتا ہوا حال میں آ کودا۔ اس سمے مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔
اور اندر اور باہر کا ماحول چٹپٹے کے دھندلکے میں ڈوب رہا تھا۔ تب ایکدم ہی اسے خیال آیا کہ سارا دن گزر گیا ہے اور آلنسہ کو ابھی تک دوا بھی نہیں ملی۔
مگر سامنا کرنا تو کجا وہ اس کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں تھا۔ کہ یکایک کسی نے کمرے کی بتی جلائی۔
اور وہ یہ سمجھا کہ اشفاق آ گیا ہے۔ لیکن گردن موڑ کر دیکھا تو آلنسہ کھڑی تھی اور وہ بری طرح ورطۂ حیرت میں غوطے کھانے لگا۔
اس کے خیال میں تو سارا دن بھوکی پیاسی رہنے کی وجہ سے تو وہ عالم نزع میں پہنچ گئی ہو گی مگر وہ تو وہی تسبیح والی ساڑھی پہنے دروازے کے آگے ہی کھڑی تھی۔
وہ چہرہ موڑ کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے اس کا آنا کسی اہمیت کا حامل نہ ہو۔ وہ اس کے نزدیک چلی آئی۔
"آپ کو اس بات کا رنج ہے نا کہ میری یہ رپورٹ آپ کے تخیلات کے برخلاف ثابت ہوئی ہے تو یہ لیجیے یہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے جس کا مطلقاً مجھے افسوس نہ ہو گا۔ یہ حل ہے آپ کی موجودہ پریشانی کا۔" اس نے دھیمی سی لاغر آواز میں کہا۔ اور وہ پرچہ اس کی گود میں رکھ کر واپس لوٹ گئی۔
اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پرچہ اٹھا کر سخت ناگواری سے پڑھا۔ لکھا تھا۔
"میں آپ کی خفگی اور پریشانی کے پیش نظر ابھی اور اسی وقت ہاسپٹل جا رہی ہوں تاکہ اس علت سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پا لوں، جس نے میرے اور آپ کے درمیان نفرت کی خلیج حائل کر دی ہے۔ مجھے کسی قیمت پر آپ سے بچھڑنا گوارا نہیں خواہ اس کے لیے مجھے اپنی اولاد کو بھی قربان کرنا پڑے۔"
اس نے دو مرتبہ اس تحریر کو پڑھا۔ پھر پاگلوں کی طرح یوں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے اسے دورہ سا پڑ گیا ہو۔ اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر باہر کی طرف دوڑا۔
آلنسہ دروازہ کھول کر کار کے اندر بیٹھ ہی رہی تھی کہ وہ لپک کر اس کے پاس پہنچا اور ڈرائیور کی موجودگی کو نظر انداز کر کے وہ چلا کر بولا۔
"نہیں آلنسہ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ تم۔ مجھے ہر حالت میں قبول ہو، ہر حالت میں۔"
اتنا کہہ کر اس نے آلنسہ کو سینے سے لگایا اور آلنسہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپکنے لگے۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY